مکاتیب اصلاحی نمبر

تدبر

لاہور

جاری کردہ :

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمایئے

حکمت قرآن

موضوعات:

امام فراہیؒ کا تصور حکمت
حکمت کی اصل اور اس کی فروع
حکمت اور قرآن حکیم
دین اسلام کا نظام
دین اسلام کی بنیادیں

حکمت کا مفہوم
حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
حکیم کا طرز فکر و تعلیم
مذاہب پر غور کا طریقہ

ترجمہ = خالد مسعود

قیمت = -/84 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ - اچھرہ' لاہور 54600
فون = 7595200

اسباق النحو

مصنف: خالد مسعود

- امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم' فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔

مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت: 36 روپے
شائع کردہ: ادارہ تدبر قرآن و حدیث مسلم کالونی رحمان سٹریٹ سمن آباد لاہور

تدبر لاہور

شمارہ نمبر 61
جولائی 1998ء
ربیع الثانی 1419ھ

جاری کردہ:
مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:
خالد مسعود

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

مکاتیب اصلاحی نمبر	خالد مسعود	3

مکاتیب اصلاحی — امین احسن اصلاحی

تفسیر تدبر قرآن	7
استفسارات	19
علمی و تعلیمی مشاغل	34
تزکیہ و تربیت	42
جماعت اسلامی	46
ڈاکٹر اسرار احمد	67
علالت	75
دینی زندگی	78
اصلاحی برادری	85
متفرق	90

مجلس ادارت

عبداللہ غلام احمد
ماجد خاور
محبوب سبحانی
سعید احمد

قیمت، -/۱۵ روپے
سالانہ -/۴۰ روپے
بیرون ملک -/۲۰۰ روپے

ناشر، ادارہ تدبر قرآن وحدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبع، المطبعۃ العربیۃ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

مکاتیب اصلاحی نمبر

الحمد للہ کہ تدبر کا پچھلا شمارہ-- اصلاحی نمبر-- قارئین نے بے حد پسند کیا اور متعدد خطوط میں اتنی قلیل مدت میں ایک وقیع مجموعہ مضامین شائع کرنے پر مبارک باد دی ہے۔ اس نمبر کی ترتیب و تدوین مولانا رحمہ اللہ سے محبت و عقیدت کا تعلق رکھنے والوں کی مرہون منت ہے۔ حقیقت میں وہی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بروقت اپنی تحریریں بہم پہنچائیں اور رسالہ کی اشاعت ممکن بنائی۔ پہلے خیال یہ تھا کہ اسی شمارہ میں مولانا مرحوم کے وہ خطوط بھی شامل اشاعت کر دیئے جائیں گے جو قارئین کی جانب سے موصول ہوں گے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گی کہ ان کو شائع کرنے کے لیے ایک پورا شمارہ مختص کرنا پڑے گا۔ چنانچہ یہ شمارہ' جو 'مکاتیب اصلاحی نمبر' ہے اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے اور اس کی ضخامت بھی تدبر کے عام شمارہ کی ضخامت سے دوگنی ہو گئی ہے۔

ادارہ کو جو خطوط موصول ہوئے ہیں ان میں بھارت سے حکیم محمد مختار اصلاحی (ممبئی)' مولانا عبد الحسیب اصلاحی (بلریا گنج) اور ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ) اور پاکستان سے سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم کے صاحبزادے جناب نور محمد خان لغاری (رحیم آباد)' ملک عبد الرشید عراقی (سوہدرہ)' محمد احسن خان (لاہور) اور محمود احمد لودھی (کراچی) کا تعاون نمایاں ہے۔ مولانا عبد الحسیب نے ڈاکٹر عبد اللطیف خان صاحب مرحوم کے نام خطوط بھی عنایت فرمائے۔ ادارہ ان تمام احباب کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے تدبر کے اس شمارہ کو ایک اہم تاریخی دستاویز بنانے میں بھرپور مدد دی۔ بعض اہم خطوط کی نقول مولانا مرحوم ریکارڈ کے لیے راقم کے حوالہ کر دیا کرتے تھے۔ اس موقع پر ان میں سے بھی بعض خطوط شامل اشاعت کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض نقول پر مکتوب الیہ کا نام لکھنے سے رہ گیا ہے' تاہم ان کے مضامین کی اہمیت کے پیش نظر ان کو لے لیا گیا ہے۔ چند مطبوعہ خطوط بھی شامل اشاعت ہیں۔ مثلاً نیو سنٹرل جیل ملتان سے لکھے گئے خطوط ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور کی شائع کردہ کتاب-- مکاتیب زنداں-- سے ادارہ کے شکریہ کے ساتھ نقل کیے جا رہے ہیں۔ ان میں مولانا مرحوم نے اپنی خوشِ دامن صاحبہ' جناب ضیاء الرحمٰن مسعود (چھوٹے سالے)' ابو صالح اصلاحی مرحوم (بڑے بیٹے) اور جناب ابوسعید (چھوٹے بیٹے) کو مخاطب کیا ہے۔ ان کے علاوہ دو خطوط جناب حکیم محمد شریف مسلم کے نام ہیں جو ان کے استفسار کے جواب میں ہیں۔ حکیم صاحب 'مکاتیب زنداں' کے مرتب ہیں۔ ان تمام خطوط کا تعلق مولانا رحمہ اللہ کی پہلی

اسیری کے زمانہ سے ہے جب مولانا کو جماعت اسلامی کے لیڈر کی حیثیت سے 15 اکتوبر 1948ء کو پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت ان کی قیام گاہ راولپنڈی سے گرفتار کرکے پہلے دو ہفتے اٹک جیل میں رکھا گیا اور وہاں سے 22 اکتوبر کو نیو سنٹرل جیل ملتان میں منتقل کر دیا گیا جہاں مولانا مودودی مرحوم اور میاں طفیل محمد صاحب بھی قید تھے۔ جماعت کے یہ تینوں اکابر 28 مئی 1950 کو اپنی رہائی تک ملتان ہی میں رہے۔ مولانا مرحوم نے اپنی کتاب 'دعوت دین' اسی اسیری کے دوران میں مدون کی۔ نیز 'اسلامی ریاست' اور پاکستانی عورت دوراہے پر' کے ابواب تصنیف کیے۔

خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکتوبر 1943ء تک مولانا مرحوم سرائے میر میں اپنی تدریسی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کے بعد کسی وقت مرکز جماعت اسلامی دارالاسلام میں منتقل ہوئے۔ اس سلسلہ میں تدبر کے پچھلے شمارہ میں شائع شدہ ڈاکٹر منصور الحمید صاحب کے انٹرویو کے اس جملہ کی وضاحت ضروری ہے کہ "مولانا مودودی مرحوم اور مولانا نعمانی صاحب دونوں میرے درپے ہو گئے کہ تمہارا یہاں آنا بہت ضروری ہے"۔ (ص 47) اس بارے میں مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:

> یہ بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کی غلط فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ مولانا مرحوم جب دارالاسلام تشریف لے گئے ہیں اس سے بہت پہلے مولانا نعمانی (میرے والد ماجد) دارالاسلام ہی نہیں' جماعت بھی چھوڑ چکے تھے۔ البتہ ان کی سرگزشت (شائع شدہ الفرقان۔ مارچ اپریل 1958ء) میں یہ ضرور مرقوم ہے کہ مولانا مرحوم اس بارے میں مشورہ کے لیے والد ماجد کے پاس بریلی آئے تھے اور انہوں نے یہی مشورہ دیا تھا کہ دارالاسلام جانا مناسب ہو گا۔ لیکن درپے ہونے یا دباؤ ڈالنے کا تو اس حالت میں سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ واللہ اعلم مولانا مرحوم نے کیا فرمایا تھا"۔

مولانا مرحوم کے زیر بحث جملے کی' اگر یہ درست نقل ہوا ہے' یہ توجیہ بھی کی جا سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ جماعت اسلامی کے قیام کے جلد بعد ہی مولانا مودودی مرحوم کا تقاضا شروع ہو گیا ہو اور اس تقاضا میں مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے بھی' جو ابھی جماعت میں شامل تھے' اپنا وزن ڈالا ہو۔ اگر یہ صورت پیش نہیں آئی تو پھر مولانا سنبھلی کا موقف درست معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ مولانا مرحوم پر مدرسۃ الاصلاح کی ذمہ داریاں بھی تھیں اس لیے وہ دارالاسلام منتقل ہونے کے بارے میں فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں اور انہوں نے مولانا نعمانی رحمہ اللہ سے مشورہ کرنے کے بعد حتمی رائے قائم کی ہو۔ اس صورت میں زیر بحث جملے کی تعبیر یوں مناسب ہو گی کہ "دارالاسلام منتقل ہونے کے فیصلہ میں مولانا مودودی مرحوم کے اصرار کو بھی دخل تھا اور مولانا نعمانی مرحوم کے مشورہ کو بھی"۔

مولانا مرحوم کے ایک مکتوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم ہند کے زمانہ میں وہ اعظم گڑھ واپس جانے کا ارادہ کر چکے تھے۔ وہیں سے جماعت کی خدمت کرنے اور دائرہ حمیدیہ کو از سرنو منظم کرنے کے کام ان کے پیش نظر تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم کے دوران کی افراتفری میں وہ پاکستان آنے پر مجبور ہو گئے اور پھر سرائے میر واپس جانے کی منزل ان سے دور سے دور تر ہوتی گئی۔ البتہ وہاں کی یادوں سے ان کا دل ہمیشہ آباد رہا۔ جب بھی ماضی کا تذکرہ ہوتا تو وہ اپنی مادر علمی کے حالات مزے لے لے کر سناتے۔ جب بھارت سے کوئی صاحب ملنے کے لیے آتے تو وہ ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتے اور مدرسہ کے احوال کے بارے میں جزرسی سے معلومات حاصل کرتے۔ مدرسہ کی محبت ان کے ذہن میں اس قدر راسخ تھی کہ 1994ء میں جب ان پر آخری طویل بیماری کا پہلا حملہ ہوا تو یہ تقاضا ان کی زبان پر جاری رہا کہ انہیں سرائے میر لے جایا جائے۔ مدرسہ کے ساتھ محبت ان خطوط میں بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے اپنی اصلاحی برادری کے نام لکھے ہیں۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد جب مولانا مرحوم نے تفسیر تدبر قرآن لکھنے کا کام شروع کیا تو یہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن گیا۔ متعدد خطوط میں وہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ قرآن مجید سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کے لیے عند اللہ مسئول ہوں گے اس لیے اب وہ سرد و گرم ہر طرح کے حالات میں اس مقصد کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔ اس عزم میں انہوں نے بعد میں کبھی کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ اس بارے میں اپنے استاذ امام حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کے سامنے بھی سرخرو ہونا چاہتے تھے کہ وہ ان کی توقعات پر پورا اترے۔ درس قرآن کے جو سلسلے انہوں نے جاری کیے ان میں ان کے پیش نظر ایسے افراد کی تلاش ہوتی جو مولانا فراہیؒ کے اسلوب تدبر کو سمجھ کر اپنے آپ کو خدمت قرآن پر لگا دیں۔ مولانا خطوط میں برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ دین کی اس ناقدری کے زمانہ میں اگر ایک دو آدمی بھی تیار کر سکیں تو یہ بھی غنیمت ہو گی۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے ایک ذہین شاگرد محمود احمد لودھی کو زیر دام لانے کے لیے جو جتن کیے ان کا اندازہ اس مجموعہ میں شامل ان کے نام لکھے گئے خطوط سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اس مجموعہ مکاتیب میں چند خطوط وہ بھی ہیں جو مولانا مرحوم نے امیر جماعت اسلامی کے نام اپنے استعفیٰ کے ہمراہ اور اس کے بعد لکھے یا استفسار کرنے والوں کے جواب میں تحریر کیے۔ ان تمام خطوط کی نقول مولانا مرحوم نے محفوظ کر رکھی تھیں۔ ان کے مطالعہ سے قارئین کو ان اسباب کے تعین میں مدد ملے گی جو سولہ سترہ برس جماعت اسلامی کے ساتھ وابستہ رہنے کے بعد اس سے علیحدگی کا باعث بنے۔ ان خطوط سے ماچھی گوٹھ کے اجتماع عام اور کوٹ شیر سنگھ میں منعقد ہونے والی مجلس شوریٰ کے نتائج فکر کے بارے میں مولانا کا نقطہ نظر سمجھا جا سکے گا۔ اور یہ بہرحال مولانا کی حیات کے ایک نہایت اہم موڑ کی روداد

اطمینان دلاتا ہوں کہ اگر میری تفسیر اللہ نے پوری کرا دی تو اس کا کوئی مطالعہ کرنے والا بھی' اگر وہ دیانتدار ہو گا' اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو گا جس میں یہ مبتلا ہیں۔ رہے خود غرض اور تقلید امی کے گرفتار اشخاص تو ان کا علاج تو پیغمبر لوگ بھی نہ کر سکے' میں اور آپ کیا کر سکیں گے۔

ویسے آپ میری یہ بات گرہ کر لیں کہ اب اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جماعت اسلامی کوئی دینی فتنہ بن سکے یا اس ملک کی تاریخ میں کوئی صفحہ اپنے لئے مخصوص کرا سکے۔ اب یہ ماضی کا ایک واقعہ ضرور ہے لیکن اس کی اہمیت ختم ہو چکی ہے اور مستقبل نے اپنے دروازے اس کے لئے بند کر لئے ہیں۔ اب یہ ایک نہایت حقیر سیاسی جماعت ہے اور اس کی سیاست اتنی احمقانہ ہے کہ یہ بہت جلد اپنی موت آپ مرجائے گی۔ میری تو یہ آرزو ہے کہ کاش حکومت انتخابات سے پہلے ان لوگوں کو چھوڑ دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ نادان لوگ اپنے تابوت میں آخری کیل خود اپنے ہاتھوں ٹھونک لیں گے۔

تفسیر کے متعلق ادھر بعض بزرگوں کی رائیں بھی موصول ہوئی ہیں اور بغیر میری طرف سے کسی تحریک کے۔ ان میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کی رائے بھی ہے۔ مجھے ان سے اس تحسین کی توقع نہیں تھی جو انہوں نے فرمائی ہے۔ ان لوگوں کی ان رایوں کے بعد اب طبیعت تفسیر کے لئے بالکل یکسو ہو گئی ہے۔ ماجد میاں نے تو اس کو اسلاف کے کاموں کی صف میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سعادت تمہارے ہی لئے مخصوص تھی۔ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ ابن قیم اور مفتی عبدہ کے بعد ادھر سو سالوں میں یہ پہلی چیز ہے جس پر ہم فخر کر سکیں گے کہ یہ نعمت عظمیٰ ہمارے دور میں وجود میں آئی۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ یہ کام اپنے اس عاجز بندے سے لے لے۔ اور اس کام کے لئے آپ میرا جتنا حوصلہ بڑھائیں گے میں آپ کے لیے دعا کروں گا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں برابر کا شریک بنائے۔

ڈاکٹر اسرار اس کے چھاپنے کی اسکیم بنا رہے تھے۔ لیکن ادھر ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ اگر خدانخواستہ وہ ہمت نہ کر رہے ہوں تو پھر میں ہی قرض دام سے اس کی کچھ فکر کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک جلد میری زندگی میں ضرور چھپ جائے تاکہ میری روح استاذ مرحوم سے شرمسار نہ ہو۔

میں کل ایک ہفتہ کے لئے زمین پر جا رہا ہوں۔ عرصہ سے نہیں گیا۔ معلوم نہیں وہاں کا کیا حال ہے۔ ضروریات بھی مجبور کر رہی ہیں۔

سردار محمد اجمل خان لغاری

لاہور

3۔ میں اب پوری یکسوئی کے ساتھ صرف تفسیر کا کام کر رہا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا میری زندگی بھر کی کوشش میرے ساتھ ہی دفن ہو جائے۔ اب تک اس کا کوئی وارث نہیں پیدا ہوا اور میری زندگی کی

اب شام ہو چلی۔ اب میں یہ توقع تو نہیں رکھتا کہ یہ کام پورا ہو جائے گا۔ لیکن جس قدر بھی ہو جائے گا اسی قدر میری مسئولیت کم ہو جائے گی۔

حلقے کا کام کچھ نہ کچھ ہو ہی رہا ہے۔ اب میرے پیش نظر صرف ادائے فرض اور حصول ثواب ہے۔ وہ توقعات ختم ہو چکی ہیں جن کے لیے میں نے یہ کھکھیڑ مول لی تھی۔ اس دور میں ان چیزوں کی طلب اب کس میں ہے۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 23 نومبر 65ء

4۔ عزیزی مودود احمد سلمہ اگر تفسیر چھاپیں تو اس سے زیادہ میرے لیے خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اس راہ میں جو مشکلات ہیں ان کی بناء پر میری رائے یہ ہے کہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔

الحمد للہ اب تفسیر آل عمران قریب الاختتام ہے۔ میں اب تفسیر کی اشاعت کے مسئلہ سے بے پروا ہو کر صرف لکھنے کی طرف متوجہ ہوں۔ مجھے اطمینان ہے کہ اگر میں لکھنے کے فرض سے غافل نہ رہا تو مجھے اس کے چھپنے کے معاملے میں کوئی جواب دہی نہیں کرنی ہو گی۔

میثاق ادھر جنگ کے حالات کی وجہ سے نہ شائع ہو سکا۔ اگرچہ اس کی مشکلات وہی ہیں جن کا آپ کو علم ہے لیکن میری خواہش یہی ہے کہ نکلتا رہے اگرچہ بے قاعدہ سہی۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 27 جنوری 1966ء

5۔ میں ان ایام میں مقدمہ لکھنے میں مصروف ہوں۔ گمان یہی ہے کہ طویل ہو جائے گا۔ اگر زیادہ طویل ہو گیا تو شائد تفسیر آل عمران دوسری جلد کے لیے اٹھا رکھنی پڑے۔ پہلے تو میرا ارادہ مقدمہ لکھنے کا نہیں تھا لیکن اب غور و فکر کے بعد اس کے لیے ارادہ کرنا پڑا۔ دعا کیجئے کہ کوئی اچھی چیز قلم سے نکل جائے۔

بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے تسلسل کے ساتھ قرآن کے نظم پر غور کرنا شروع کر دیا۔ بس ایک مرتبہ اس روگ کے لگ جانے کی دیر ہے۔ پھر تو انشاء اللہ یہ زندگی کے ساتھ ہے۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 20 اگست 66ء

6۔ ایک لفافہ آج موصول ہوا جس کے ہمرشتہ ایک چیک بھی ہے۔ آپ نے اپنی مختصر نویسی کے سبب سے اگرچہ چیک کے مصرف سے متعلق کوئی تصریح نہیں کی لیکن چونکہ یہ نہایت شدید ضرورت کے موقع

پر موصول ہوا ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اس کو حلقہ اور رسالہ کے کام میں استعمال کیا جائے۔ بعد میں آپ کی ہدایت کے مطابق اگر ضرورت ہوئی تو اس کی تصحیح کر لی جائے گی۔

تفسیر کی طباعت کے متعلق اگر آپ نے اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کیا ہے تو مجھے لکھئے تاکہ میں اس کے لیے کوئی عملی شکل تجویز کروں۔ آپ کے مافی الذہن کا واضح طور پر میرے سامنے آنا ضروری ہے۔ یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ میں کس حد تک لکھ سکوں گا لیکن جس حد تک لکھی جا چکی ہے اس کی اشاعت کا کام بھی ایک مستقل کام ہے۔ اور اگرچہ اس طرح کی چیزوں کی قدر اس زمانے میں کم ہے تاہم اس کا ایک حلقہ ہے جو بالتدریج وسیع ہو گا۔ یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی اشاعت کی خواہش میری زندگی کی عزیز ترین خواہشوں میں سے ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ یہ کار خیر ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پائے جو اس کے اصلی حقدار ہیں......

محمود احمد لودھی

لاہور

7۔ آپ کا خط ملا۔ چونکہ تفسیر کی طباعت و اشاعت کا کام خاصا اہم کام ہے اس وجہ سے اس کے انتظامی امور کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا ہو گا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا ہے کہ وہ مناسب اشخاص سے مشورے کے بعد اسکیم بنائیں۔ اگر کوئی قابل اطمینان شکل بن گئی تو آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ آپ کے عزم و حوصلہ اور قدردانی کی دل میں بڑی قدر ہے۔ لیکن اس معاملے میں ان لوگوں کا مشورہ ضروری ہے جو اس کوچے کا کچھ تجربہ رکھتے ہیں......

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ قرآن پر برابر کچھ کام کر رہے ہیں۔ اصل میں میری کامیابی تو اس چیز میں ہے کہ اس نہج پر غور کرنے والے کچھ پیدا ہو جائیں۔ تفسیر کا چھپنا نہ چھپنا ایک امر ثانوی ہے۔ اگر یہ فکر زندہ رہا تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ اگرچہ مجھے اس کا احساس ہے کہ کوئی شخص مجھے ایسا نہیں مل سکا جو میرے سارے فکر کو اپنا لے تاہم میں مایوس نہیں ہوں۔ امید یہی ہے کہ میرے بعد بھی یہ کام جاری رہے گا۔ کیا عجب کہ میرے بعد آپ لوگوں کو اس سے زیادہ اس چیز کی قدر ہو جتنی اب ہے۔

میثاق کے متعلق میں خود فکرمند ہوں۔ اس کے لیے سب سے پہلے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ میں سہ ماہی کی تجویز سے متفق ہوں۔

محمود احمد لودھی

لاہور

8۔ لفافہ موصول ہوا۔ آپ نے بالکل صحیح گرفت کی۔ خدا جانے 'استہزا اڑانا' کس طرح قلم سے نکل گیا۔ معلوم ہوتا ہے 'استہزا' اور 'اڑانے' میں کچھ فصل تھا اس وجہ سے قلم نے ناگواری محسوس نہیں کی۔ میں لکھتے وقت دماغ کو معنی پر مرکوز کر کے الفاظ کے معاملے کو یکسر قلم پر چھوڑ دیتا ہوں۔ ادیبوں کی طرح الفاظ پر دھیان نہیں دیتا۔ اس سے بعض مرتبہ عجیب عجیب 'بچوں کی سی غلطیاں کر جاتا ہوں۔ آپ لوگ ان چیزوں پر نگاہ رکھیں۔ میں ادیب تو مشہور ہونا نہیں چاہتا لیکن بے ادب کہلانا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وجہ سے میری تحریروں کی اصلاح کرنے کا آپ لوگوں کو نہ صرف حق ہے بلکہ اسے میری خاطر فرض بھی سمجھئے۔

خوشی ہوئی کہ آپ کی بیگم صاحبہ کو میرے بعض مضامین پسند آئے۔ خدا کرے تفسیر بھی پسند آئے۔ دوسری چیزیں بھی میری ان کو پڑھنے کو دیجئے۔ جو لوگ مجھے داد دیتے ہیں ان سے اس پہلو سے مجھے خوشی ہوتی ہے کہ ان کی سمجھ کے باب میں مجھے حسن ظن ہو جاتا ہے۔ آپ اس کو خود پسندی پر محمول نہ کیجئے گا۔ واقعہ یہی ہے کہ روش عام کے پیرو یا لکیر کے فقیر میری چیزیں پسند نہیں کر سکتے۔ صرف وہی لوگ پسند کرتے ہیں جو ذہنی الجھنوں سے نبرد آزما ہوئے ہوں۔

.... اب آپ صرف پڑھنے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ لکھنے کی بھی کوشش کیجئے۔ لکھنے میں پختگی دیر سے آتی ہے۔ اگر آج آپ نے یہ کام شروع نہ کر دیا تو آپ کے لیے اس حجاب کو دور کرنا مشکل ہو جائے گا۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 16 فروری 67ء

9۔ تفسیر کے بارے میں آپ کا خط پہلے بھی ملا تھا اور میں نے اس کا جواب بھی دے دیا تھا لیکن آپ کے اس خط سے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ خط آپ کو ملا یا نہیں۔ میں نے آپ لوگوں کے حالات کا اندازہ کر کے یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ کام آپ کے بس کا نہیں۔ آپ تینوں بھائیوں کو نہ اس کام کا کوئی تجربہ ہے' نہ اس کے لیے فرصت۔ والد صاحب ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی اس جھنجھٹ سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔

اب آپ نے یہ لکھا ہے کہ حلقہ تدبر قرآن اس کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرے' آپ اس کے مصارف کا انتظام کریں گے۔ مجھے اس تجویز سے اس حد تک تو اتفاق ہے کہ حلقہ کے لیے یہ کام نہ صرف موزوں ہے بلکہ یہ کام ہی اس کا ہے۔ اور کتاب کی طباعت کے سلسلے میں میری نگرانی بھی ضروری ہے۔ لیکن میں یہ توقع نہیں کرتا کہ یہ کام اس زمانے میں کوئی سودمند کام ہے۔ بلکہ مجھے تو یہ اندیشہ ہے کہ شائد اس کام میں لگائی ہوئی رقم عرصے تک پھنسی ہی رہ جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ کاروباری معاملات میں میں بھی بالکل اناڑی ہوں۔ اس وجہ سے میرا مشورہ یہ ہے کہ اس معاملے میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجئے۔ اگر غور کے بعد بھی آپ کی رائے یہی ہو جس کا آپ نے خط میں اظہار فرمایا ہے تو پھر میرا مشورہ یہ ہے کہ نہایت واضح طور پر وہ شرائط لکھئے جن شرائط پر یہ رقم آپ دیں گے تاکہ میں غور کر کے فیصلہ کر سکوں کہ

ان کی ذمہ داری لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الحمد للہ تفسیر کا کام پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ آل عمران کی آخری آیات اس وقت زیر قلم ہیں۔ میثاق بھی میری طرف سے تیار ہے۔ لیکن علیم الدین صاحب ان دنوں امتحان اور شادی وغیرہ کے چکر میں ہیں۔ اس وجہ سے میری خواہش کے خلاف وہ التواء میں ہے۔

محمود احمد لودھی — لاہور: فروری 1966ء

10۔ لیجئے آپ لوگوں کی دعا سے میں نے تفسیر سورہ نساء مکمل کر لی۔ مائدہ کو ملا کر غالباً یہ چھ سو صفحات میں آئے گی.... آپ بنظر اصلاح پڑھتے رہیں اور تمام مشورے مجھے لکھتے رہیں۔ اس میں کچھ حصہ مولویوں کے لیے ہے۔ اس کی تسہیل تو ممکن نہیں ہے لیکن اصل مدعا کہیں مغلق نہیں رہنا چاہیے۔ اگر کہیں ایسا اغلاق ہو جس کو دور کرنا ممکن ہو تو اس کی نشان دہی ضرور کیجئے۔ میں ڈاکٹر صاحب سے کہوں گا کہ آپ کو دو پرچے بھیجا کریں۔ آپ ایک پرچے پر نشانات لگا کر مجھے بھیج دیا کریں۔

محمود احمد لودھی — لاہور: 18 اپریل 67ء

11۔ ملفوف موصول ہوا۔ آپ کی بیگم صاحبہ کی علالت کی خبر سے تشویش ہوئی۔ سفر میں جب کہ آپ کے ساتھ گھر کا کوئی اور آدمی نہیں ہے یقیناً آپ کو بڑی پریشانی ہوئی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہر تکلیف و پریشانی سے محفوظ رکھے۔ معلوم نہیں آپ کے وہاں قیام کی مدت ابھی کتنی باقی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہاں کی مرطوب آب و ہوا آپ دونوں ہی کے مزاج کے ناموافق ہے۔ پنجاب اور بنگال میں بڑا فرق ہے۔ اگر ابھی زیادہ مدت باقی ہو تو اس کو کم کرانے کی کوشش کیجئے۔ عذر آپ کے پاس معقول ہے۔ (مکتوب الیہ کا تبادلہ لاہور سے ڈھاکہ ہو گیا تھا۔ وہ کئی سال مشرقی پاکستان میں تعینات رہے۔۔مدیر)

میری صحت بفضل خدا بری نہیں۔ تفسیر کا کام جاری ہے۔ رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور آنے جانے والے وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کچھ نہ کچھ کام ہو ہی جاتا ہے۔ اصل میں میرے سوا اس کام کی اہمیت کا کوئی قائل نہیں اور میرا قائل ہونا اپنے منہ میاں مٹھو بننا ہے۔ تاہم اس کام کے سوا اب میرا جی کسی کام میں نہیں لگتا۔

محمود احمد لودھی — مورخہ لاہور: 11 اگست 67ء

12۔ آپ کا خط ملا۔ خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ الحمد للہ بعض وقتی تکالیف کے باوجود تفسیر کا کام جاری ہے۔ مائدہ ابھی ختم تو نہیں ہوئی ہے لیکن توقع ہے کہ کوئی مانع پیش نہ آگیا تو ستمبر میں ختم ہو جائے گی۔

خوشی کی بات ہے کہ جلد اول کی طباعت شروع ہو گئی۔ کچھ مطبوعہ فرمے نظر سے گزرے۔ ماشاء اللہ اچھی چھپ رہی ہے۔ میری خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے کم از کم ایک جلد چھپ کر باصرہ نواز ہو جائے۔ یہ آرزو شائد پوری ہو جائے۔ اب میں اکتوبر تک لاہور چھوڑ کر رقبے پر منتقل ہونے کی اسکیم بنا رہا ہوں۔ پیش نظر مصارف کی تخفیف ہے۔ ابھی یہ ارادہ چند دوستوں تک راز ہے اور وہ بھی اس پر مطمئن نہیں ہیں لیکن میں اس کو ذاتی پہلو سے مفید بلکہ ضروری سمجھتا ہوں۔ توقع ہے کہ اس سے مصارف میں تخفیف ہو گی۔ قرض میں اضافے کا سلسلہ رک جائے گا اور ادائے قرض کے لئے کچھ پس انداز ہو سکے گا۔ علمی اور تعلیمی مقاصد ضرور متاثر ہوں گے لیکن تفسیر کا کام امید ہے جاری رہ سکے گا۔ اب اس عمر میں ذہنی سکون ضروری ہے جو بحالت موجودہ میسر نہیں۔ لاہور اچھی جگہ ہے مگر میرے جیسے شخص کے لئے اس کا رکھ رکھاؤ گراں بلکہ ناقابل برداشت ہے۔

آپ کے خطوط ادھر کم ملے۔ جو ملے وہ کھلے ہوئے یا نیم کھلے ہوئے۔ بظاہر سنسر کی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ گھر میں دعائے صحت۔

محمود احمد لودھی — مورخہ لاہور: 22 اگست 67ء

13۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ میاں بیوی دونوں نے حج کا ارادہ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سفر کی برکتوں سے زیادہ سے زیادہ متمتع کرے۔ امید ہے کہ اس ناچیز کو بھی آپ لوگ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ یہ درخواست میری طرف سے بھی ہے اور اہلیہ کی طرف سے بھی۔

الحمد للہ میں اچھا اور اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔ معلوم نہیں غازی صاحب (مراد ڈاکٹر محمود احمد غازی ہیں جو اس وقت ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے وابستہ تھے۔۔مدیر) کا یہاں آنا ان کے لیے کچھ سودمند ہوا یا نہیں۔ بیچارے نے زحمت تو بہت اٹھائی۔

آپ سے کسی علمی کام کے لیے کہنے کو کچھ جی تو نہیں چاہتا لیکن آپ کر سکیں تو نزول مسیحؑ سے متعلق روایات کی تحقیق کر کے لکھیں کہ یہ روایات کن الفاظ میں ہیں؟ ان کا درجہ کیا ہے؟ اگر ان کے باب میں کوئی اختلاف ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ اگر آپ اپنی روایت کے مطابق نزول مسیحؑ سے متعلق تحقیق کا دردسر مول لینے پر تیار نہ ہوں تو خط یا فون کے ذریعہ خالد صاحب سے رابطہ قائم کر کے میری

طرف سے گزارش کیجئے کہ وہ جلد سے جلد ضروری معلومات فراہم کرکے بھیجیں۔ میں بھی انھیں خط لکھ رہا ہوں مگر میرے خط کا کیا اعتبار! میں اب سورہ احزاب پر لکھ رہا ہوں۔ اس میں اس سوال سے تعرض ضروری ہے۔

تدبر قرآن تذکیرو تانیث کی تحقیق کے لیے نہیں لکھی گئی ہے۔

محمود احمد لودھی — رحمان آباد: 5 ستمبر 74ء

14۔ امید ہے آپ جملہ متعلقین کے ساتھ بخیریت ہوں گے۔ یہ کارڈ اس ضرورت سے لکھ رہا ہوں کہ نزول مسیحؑ سے متعلق روایات کی تحقیق کرکے لکھئے کہ ان کا درجہ کیا ہے؟ کن الفاظ میں یہ مروی ہیں؟ اور اگر ان کے بارے میں کوئی اختلاف ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ سورہ احزاب کی تفسیر میں اس مسئلہ سے مجھ کو تعرض کرنا ہے۔ اور وہ مقام اب قریب ہے جہاں اس پر لکھنا ہے۔ اس وجہ سے حتی الامکان عجلت سے کام لیجئے۔ میں نے عبد اللہ صاحب کو بھی لکھا ہے کہ ضروری چیزوں کی تلاش میں آپ کی مدد کریں۔

یہاں دو ماہ سے بارش مطلق نہیں ہوئی ہے۔ فصل اور باغ سب خطرے میں ہے۔ دھان اور گنے کا کچھ حصہ تو ختم ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے!

خالد مسعود — رحمان آباد۔ 6 ستمبر 74ء

15۔ یہ ایک کرم فرما کا خط بھیج رہا ہوں۔ اس پر غور کیجئے کہ ان کی پیش کش سے فائدہ اٹھانے کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

آپ کا ملفوف مل گیا اور آپ ہی کے خیال کی تائید میں ایک نہایت مجمل خط لودھی صاحب کا بھی آیا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا اور خاور صاحب کے حوالہ کر دیا ہے۔ آپ مسودے پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ اگر اس سے اطمینان نہ ہو تو پھر آپ مسودہ لے کر یہاں آیئے۔

خالد مسعود — رحمان آباد: 28 فروری 75ء

16۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ میں فراہی" کے ایجاز سے تو فائدہ اٹھالیتا ہوں لیکن آپ کا ایجاز 'حد اعجاز ہوتا ہے' اس وجہ سے اس کو سمجھنا میرے لیے مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال میری جو رائے ہے وہ میں نے قلمبند کرکے مسودہ خاور صاحب کے حوالہ کر دیا ہے۔ خالد صاحب کو لکھ دیا ہے کہ وہ اس کو پڑھ لیں۔ اگر

اطمینان نہ ہو تو پھر وہ اور آپ دونوں حضرات یہاں تشریف لایئے اور زبانی اپنے شبہات بیان کیجئے اور میرے جواب سنئے۔

یہاں کا حال یہ ہے کہ کل پہلی مرتبہ ہمارے گندم کے 11 ایکڑوں کو پانی ملا ہے۔

محمود احمد لودھی — رحمان آباد: 28 فروری 75ء

17۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کے گرامی نامہ کا جواب لکھنے میں کوتاہی ہوئی۔ میں الحمد للہ اچھا ہوں اور لکھنے کا کام پابندی سے کر رہا ہوں......

کتاب سے متعلق استفسار آپ کی طرح میرے پاس بھی برابر آ رہے ہیں لیکن حالات پر کسے اختیار ہے۔ پرسوں بھارت سے مولانا محمد منظور نعمانی کا گرامی نامہ آیا ہے۔ انھیں بھی تشویش کے ساتھ کتاب کا انتظار ہے۔ یہی حال یہاں کے قدر دانوں کا بھی ہے۔ میرا کام لکھنا ہے اور میں یہ خدمت برابر انجام دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو کتاب چھپ بھی جائے گی......

ڈاکٹر عبد اللطیف خان — رحمان آباد: 28 ستمبر 1977ء

18۔ امید ہے آپ لوگ اچھے ہوں گے۔ لسان العرب میں لفظ '**ثیاب**' کے تحت دیکھئے کہ اس نے '**ثیابک فطھر**' کے تحت کیا لکھا ہے؟ علاوہ ازیں امراؤ القیس کا ایک شعر معلقات میں ہے ~

وان کنت قد لزمعت صرمی فاجملی
فسلی ثیابی من ثیابک تنسلی

اس شعر میں لفظ **ثیاب** کے شارحین نے کیا معنی لیے ہیں؟

میرا خیال یہ ہے کہ جس طرح ہماری زبان میں یہ محاورہ ہے کہ 'دامن دل پر غبار نہ آنے دو' اسی طرح عربی میں بھی یہ محاورہ ہے۔ مجھے اس کی تائید مطلوب ہے۔

سبعہ معلقہ والے شعر کی تصحیح بھی مطلوب ہے اور اس کی شرح بھی۔

بھولا بھالا کا مجموعہ خرافات مجھے مل گیا ہے اور اب اس کی تحسین میں انہی احمقوں کے خطوط بھی مجھے بھجوائے جا رہے ہیں جن کے خطوط پہلے آئے تھے۔ ان سے تعرض کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ان کو اپنی موت مرنے دیجئے۔ جواب جلد مطلوب ہے۔

خالد مسعود — رحمان آباد: 17 نومبر 78ء

19۔ سورہ قیامہ میں **بل یرید الانسان لیفجر امامہ** میں **امامہ** کا مرجع کیا ہے؟ اس آیت کی تاویل کیا ہے؟

الی ربھا ناظرۃ میں یہ دیکھنا ہے کہ جب '**نظر**' کا صلہ '**الی**' کے ساتھ آتا ہے تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں؟

تیسری بات یہ ہے کہ آپ کا خط مل گیا لیکن اتنی دیر میں ملا کہ جب میں المدثر کی تفسیر سے فارغ ہو گیا۔ اب اس سے نظرثانی کے وقت ہی فائدہ اٹھانا ممکن ہو گا۔ ویسے میری اور آپ کی تاویل میں غالباً تعبیر ہی کا فرق نکلے گا۔

ایک خط ڈاکٹر اسرار کے حکیم نور الدین کا بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھ لیجئے۔ اس طرح کے لوگوں کے خطوط کی رسید بھیجنی بھی جائز نہیں ہے۔

ابراہیم حسین صاحب کا خط بھیج رہا ہوں۔ میرے پاس تو اس کے جواب کی فرصت نہیں۔ اگر آپ اس کا جواب لکھ سکیں تو لکھ دیں' ورنہ انہیں خط کی رسید ضرور بھیج دیں اور یہ لکھ دیں کہ اصلاحی اس وقت بہت مصروف ہیں۔ ساتویں جلد پریس میں جا رہی ہے اور آٹھویں اگلے رمضان تک تیار کرنی ہے۔ اگر '**سبع مثانی**' کے بارے میں میری تاویل سے انہیں اطمینان نہیں ہے تو جو دلائل انہوں نے دے دیے ہیں کوئی اور بات ان کے پاس کہنے کے لیے نہیں ہے۔

خالد مسعود　　　　رحمان آباد

20۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مکرمی ڈاکٹر عنایت اللہ نسیم صاحب کو جو صدمہ پہنچا اس نے نہایت غمگین کیا۔ اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب اور تمام عزیزوں کو صبر جمیل اور رضا بالقضاء کی توفیق بخشے۔ میں آپ کے خط کے ساتھ ہی ان کو بھی تعزیت نامہ لکھ رہا ہوں۔ آپ ملیں تو آپ بھی میری طرف سے تمام عزیزوں کو سلام مسنون اور تعزیت پہنچایئے......

لکھنے کا کام بحمد اللہ جاری ہے۔ آخری حصے میں ادائے مطلب میں مشکلات پیش آ رہی ہیں لیکن کام پابندی سے ہو رہا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی اس خدمت کو اتمام تک پہنچائے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ اس کتاب سے متعلق مجھے کسی کی تقریظ یا تنقید کا انتظار نہیں ہے۔ جن لوگوں کی رائے پر مجھے اطمینان ہے ان کی رائیں مجھے موصول ہو چکی ہیں اور وہ کافی ہیں۔ مجھے جو کچھ لکھنا تھا میں نے لکھ دیا۔ اب لوگ جو چاہیں خامہ فرسائی کرتے رہیں۔ بہتر تو یہ تھا کہ لوگ اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن اس کور ذوقی کے دور میں سمجھنے سے زیادہ لکھنے کا شوق ہے۔ جس رسالہ کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس کا نام تو میں نے سنا ہے لیکن دیکھنے کا اتفاق شائد ہی کبھی ہوا ہو۔ اس کے مضمون کے بارے میں آپ کی رائے میرے لیے بس ہے۔

آپ کا خط اب کے بہت دیر سے آیا۔ خیریت معلوم کرنے کا خیال برابر آتا رہا لیکن خط نہ لکھ سکا۔ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے پہل کی۔

ملک عبدالرشید عراقی　　　　رحمان آباد: 28 مئی 79ء

21۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ میں بحمد اللہ اچھا ہوں لیکن اہلیہ کی طبیعت ابھی ایسی نہیں ہے کہ ان کو گاؤں میں لے جایا جا سکے۔ فی الحال یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ابھی کتنے دن یہاں مزید قیام کرنا ہو گا۔

تفسیر کے کام کی رفتار ادھر سست رہی تاہم کام ہوتا رہا ہے...... میری کوشش اور تمنا تو صرف یہ ہے کہ کسی طرح **والناس** تک پہنچ جاؤں۔ اس کے بعد کا کوئی پروگرام سامنے نہیں ہے۔ اب **فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب** پر عمل کرنے کی جی چاہتا ہے۔ اوراق بہت سیاہ کئے۔ اب لکھنے کا حوصلہ باقی نہیں رہا۔ لوگوں سے داد حاصل کرنے کی بھی کوئی خواہش نہیں ہے۔ بس دعا کیجئے کہ اللہ تعالی اس خدمت کو' اگر یہ فی الواقع کوئی خدمت ہے تو' نجات کا ذریعہ بنائے۔

ملک عبدالرشید عراقی　　　　لاہور: 13 مئی 1980ء

22۔ آپ کا ایک گرامی نامہ گاؤں سے پھرتا پھراتا یہاں موصول ہوا۔ میں اہلیہ کی علالت کے سبب سے برابر یہیں ہوں اور نہیں کہہ سکتا کہ کب تک رہنا پڑے......

تقریب سے متعلق آپ نے جو تجویز پیش کی ہے مولانا محمد منظور نعمانی اور بعض دوسرے دوستوں نے بھی وہ تجویز پیش کی ہے مگر میرا دل اس پر نہیں جمتا۔ یہ اسی رسم کی پیروی ہو گی جو اس زمانے میں عام ہے۔ اس سے میں بچنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ لوگ بھی اس سے بچیں۔ (تقریب سے مراد تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل پر ایک جلسہ منعقد کرنے کا اہتمام تھا۔۔۔مدیر) حدیث کی خدمت سے متعلق ایک تجویز سامنے ہے۔ اس کے متعلق ان شاء اللہ جلد لکھوں گا۔

ملک عبدالرشید عراقی　　　　لاہور: 29 اکتوبر 1980ء

23۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ جواب میں تاخیر کا سبب یہ ہے کہ خاور صاحب نے خط پہنچانے میں تاخیر کی۔ میرے اور ان کے درمیان ایک شہر میں ہونے کے باوجود بڑا فاصلہ ہے۔ میں شہر سے باہر چھاؤنی کے علاقہ میں مقیم ہوں اور ڈاک کا پتہ میں نے بوجوہ فاران فاؤنڈیشن کا رکھا ہے۔

مدبر قرآن کے پریس کے حوالہ کرنے میں بعض وجوہ سے کچھ دیر ہو گئی لیکن خاور صاحب نے کل اطمینان دلایا کہ فروری کے آخر تک کتاب ان شاء اللہ قدردانوں کو ضرور مل جائے گی۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آپ ہی کی طرح مرحوم چودھری محمد علی بھی اس کتاب کے بڑے قدردانوں میں تھے۔ ان کی تاکید رہتی تھی کہ جلد سازی کے بعد کتاب کی پہلی جلد ان کو بھیجی جائے۔ افسوس کہ آخری جلد میں ان کی خدمت میں نہ پیش کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے۔ ہماری قوم بہت بڑی ہستی سے محروم ہو گئی۔ (چودھری محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان مراد ہیں۔۔۔مدیر)

ملک عبدالرشید عراقی لاہور: 25 جنوری 1981ء

استفسارات

24۔ امید ہے میرا پہلا خط آپ کو ملا ہو گا۔ جس میں میں نے آپ کے پہلے سوال کا جواب دیا ہے۔ آج دوسرے سوال کا جواب عرض کرتا ہوں۔ حضرت یوسفؑ نے ایک باطل نظام میں عہدہ نہیں حاصل کیا تھا بلکہ بادشاہ کی درخواست پر قحط کی روک تھام کے سلسلہ میں اپنی خدمات بنی نوع انسان کی ایک عظیم خدمت کے لیے پیش کر دی تھیں۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ ان کا حد درجہ گرویدہ اور عقیدت مند ہو چکا تھا اور شخصی حکومتوں میں جہاں بادشاہ کی ذات ہی سب کچھ ہوتی ہے اور تمام امرونہی اس کے اختیار میں ہوتا ہے' اگر بادشاہ کسی شخص کا گرویدہ اور معتقد ہو جائے تو وہ بادشاہ کا ماتحت عہدہ دار نہیں رہ جاتا بلکہ بادشاہ سے بھی بالاتر ہو جاتا ہے چنانچہ تالمود اور تورات دونوں سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ عملاً پوری سلطنت حضرت یوسفؑ کے انگوٹھے کے نیچے آ گئی تھی اور بادشاہ ان کو اپنا باپ کہنے لگا تھا اور پوری مملکت میں اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ یوسفؑ کے تمام احکام کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے۔

اس طرح کے حالات کے اندر حضرت یوسفؑ نے ایک عظیم الشان خدمت انسانی (دفعیہ قحط) اور مقصد حق کی دعوت واشاعت کو پیش نظر رکھ کر بادشاہ کی درخواست منظور فرمائی۔ اس کو نظام باطل کی نوکری قرار دینا قرآن مجید اور تورات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے اس سے آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب عملاً حضرت یوسفؑ کو یہ کچھ اختیار مل گیا تھا تو انہوں نے اپنے اس اختیار سے فائدہ اٹھا کر ملک میں فوراً اسلامی نظام کیوں نہیں جاری فرما دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے تنہا اختیار کامل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ایک جماعت اس نظام پر ایمان واعتقاد رکھنے والی موجود ہو جو عملاً اس کو چلا سکے۔ حضرت یوسفؑ کو پہلی چیز تو بلاشبہ بہت بڑی حد تک حاصل ہو گئی تھی لیکن دوسری چیز ان کو حاصل نہیں تھی۔ اور یہ چیز ان کی کوششوں کے باوجود جس حد تک ضروری تھی مصر میں ان کی زندگی میں حاصل نہ ہو سکی۔ اور جو بادشاہ حضرت یوسفؑ کا ہم عصر تھا اس کے انتقال کے بعد تو مصر میں جو انقلاب ہوا وہ حضرت یوسفؑ کی دعوت کے لیے بالکل ہی ناسازگار ثابت ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دعوت اس طرح دب گئی کہ جب تک حضرت موسیٰؑ کی بعثت نہیں ہوئی نہ بنی اسرائیل ہی میں کوئی حرکت پیدا ہو سکی اور نہ اس دعوت ہی کا کوئی چرچا ہو سکا۔ اس دعوت کو دبانے میں جس عامل نے سب سے زیادہ کام کیا وہ مصری (قبطی) نیشنلزم کا ابھار ہے' لیکن اس کی تفصیل کے لیے یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حکیم محمد شریف مسلم نیو سنٹرل جیل ملتان: 26 نومبر 1949ء

25- آپ کے سوالوں کے جواب درج ذیل ہیں:

1- اس سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ آگے سورہ کی تفسیر میں آئے گا۔ آپ اس کے اگلے نمبروں کا انتظار کریں۔

2- کسی کتاب کو کتاب کہنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بشکل کتاب ہمارے سامنے موجود ہو' اس کو کتاب کہنے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ وہ حافظوں اور سینوں میں موجود ہو۔ قرآن مجید حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں نہیں بلکہ خود نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اپنی موجودہ ترتیب کے ساتھ مرتب ہو گیا تھا۔ حفاظ اسی ترتیب کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس ترتیب کے مطابق اس کو مابین الدفتین جمع کرایا۔

3- قرآن کی یہ ترتیب علمی اور سائنٹفک ہے۔ اس ترتیب سے ہم قرآن اور اسلام کے پورے معنوی نظام کو سمجھ سکتے ہیں۔ دوسری ترتیب میں یہ چیز حاصل نہ ہوتی۔ اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک حاذق طبیب مختلف اوقات میں مختلف ضروریات کے تحت مختلف نسخے لکھتا ہے' پھر ان کو ایک خاص فنی ترتیب کے ساتھ ایک مجموعہ میں جمع کر دیتا ہے۔

4- میں نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ مودودی صاحب مسائل میں جو توڑ مروڑ کر رہے ہیں وہ اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ سیاسی مناصب کے خواہاں ہیں۔ میں ان کی رائے کی اور ان کے دلائل کی غلطیاں واضح کر رہا ہوں۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ وہ یہ سارے پاپڑ کیوں بیل رہے ہیں۔ رہا طنز و تعریض کا معاملہ تو میں اس کو کوئی ضروری چیز نہیں سمجھتا۔ مگر مودودی صاحب کو اس معاملہ میں زیادہ حساس نہیں ہونا چاہیے' اس لیے کہ وہ تو طنز و تعریض کے بغیر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے۔ تاہم مجھے اس پر اصرار نہیں ہے۔ ستمبر میں میرا مفصل جواب آ رہا ہے۔ میں نے آپ کے خط کے بعد اس کے بعض فقرے نکال دیے ہیں۔

محمد احسن خان

لاہور: 15 اگست 1959ء

26- آپ کا ملفوف موصول ہوا۔ ڈھاکہ دیکھنے کی خواہش تو کبھی کبھی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ میں طبعی طور پر اس طرح کے علاقوں سے بڑی مناسبت رکھتا ہوں جو مرطوب ہیں۔ لیکن اب ہوس سیر و تماشا کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب تو ہروقت بس فکر یہ ہے کہ چالیس سال کی کاوش سے جو ذخیرہ جمع ہوا ہے اس کا کوئی حال پیدا ہو کہ یہ ضائع ہونے سے بچ جائے اور اس طرز پر فکر کا سلسلہ قائم رہے۔ اب ہمارا کیا اعتبار!

آج مختصر طور پر آپ کے سوالوں کے جواب عرض کرتا ہوں۔

آیت ۷۔ ۱۲ سورہ نساء سے متعلق آپ نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ ٹھیک ہیں۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ بعض اوقات زیادہ تفصیلات معلوم کرنے کا شوق آدمی کے لیے فتنہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ علم میں قناعت پسندی کے بجائے حرص کا رویہ صحیح ہے لیکن یہ اسی حالت میں جب اس حرص علم کے ساتھ اس کے برابر عمل کا جذبہ بھی ہو۔ یہ نہ ہو تو یہ علم وبال بن کے رہتا ہے۔

الحاقہ کی آیت ۴۰۔ ۴۲ میں شہادت میں جو چیز پیش کی ہے وہ آفاق و انفس کی وہ آیات ہیں جن کی تفصیل پورے قرآن میں کی گئی ہے اور جن کو پیش کر کے قرآن کے بنیادی دعاوی کو ثابت کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دلائل عقلی و فطری ایسے واضح ہیں کہ ایک سلیم الفطرت انسان ان کو سمجھ لینے کے بعد یہ ماننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتا کہ وہ قرآن کو شاعروں اور کاہنوں کے طرز کا کلام قرار دے۔ ان لوگوں کے سامنے شاعروں اور کاہنوں کے کلام کے نمونے موجود تھے اور قرآن بھی موجود تھا۔ آخر ایک انصاف پسند ان دونوں کا موازنہ کرنے کے بعد یہ کہنے کی جرات کس طرح کر سکتا تھا کہ یہ دونوں ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں؟ یہ بات اگر کہہ سکتا ہے تو وہ شخص کہہ سکتا ہے جو ایک حقیقت کو جھٹلانے کے لیے کھلی ہوئی دھاندلی پر اتر آیا ہو۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ اس شخص میں ایمان اور تذکر کی کوئی رمق باقی ہے؟

معارج والی آیت میں جس بات کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو دہنے بائیں سے گروہ در گروہ قریش کے اعیان و اشراف تمہاری مخالفت و تردید کے جوش میں تم پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں ان میں سے ہر ایک کو یہ زعم ہے کہ یہ جس زعامت و قیادت پر سرفراز ہیں یہ اس کے پیدائشی حقدار ہیں۔ جس طرح یہ دنیا میں سربلند ہیں اسی طرح یہ آخرت میں بھی (اگر آخرت ہے) سربلند رہیں گے اور جنت کے حقدار ٹھہریں گے۔ اس وجہ سے یہ تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں جب کہ تم ان کے رویے کو دوزخ میں لے جانے والا ٹھہراتے ہو۔ ان کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ خدا نے سب کو ایک حقیر شے سے پیدا کیا ہے۔ اس اعتبار سے کسی کو کوئی شرف و عزت حاصل نہیں ہے۔ عزت و شرف جو کچھ حاصل ہے صرف ایمان و عمل صالح کو حاصل ہے لیکن یہ دوسرے ہی گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔ اس مضمون کی وضاحت کے لئے دیکھئے حم السجدہ کی آیت **ولئن اذقناه رحمة منا-- الایه**-- سورہ احقاف کی آیت **وقال الذين كفروا للذين امنوا-- الایه**' اور سورہ قلم کی آیت **افنجعل المسلمين-- الایه**۔

میں نے اشارات کی شکل میں لکھا ہے۔ اگر کوئی بات واضح نہ ہو سکی ہو تو اس کو پھر بے تکلف پوچھ سکتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ خون کے دباؤ کی زیادتی سے جو تکلیف نمایاں ہوئی تھی ادھر اس کا کوئی

اثر ظاہر نہیں ہوا۔ تکان کا اثر ہے لیکن یہ چیز کچھ تو گرمی کی شدت کے سبب سے ہے' کچھ تقاضائے سن ہے۔ امید ہے آپ دعاؤں میں یاد رکھتے ہوں گے۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 6 جون 66ء

27۔ 'حقیقت شرک' میں جس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے اس میں اوروں کا تو کیا ذکر خود جماعت کے امیر صاحب ہی مبتلا تھے۔ (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی" کی طرف اشارہ ہے--مدیر) انہوں نے خود سرحد کی ایک جماعت "جماعت ناجیہ" کے امیر سے' جو اسی خیال کی تھی' کہا تھا کہ مبتلائے شرک مسلمانوں کے متعلق ہمارا خیال بھی وہی ہے جو آپ لوگوں کا ہے لیکن بحالات موجودہ اس خیال کا اعلان مناسب نہیں ہے۔ مجھے جب یہ بات معلوم ہوئی تو میں بڑا پریشان ہوا۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم جماعت کے اس عقیدے کے سبب سے جماعت پر بہت برہم تھے اور وہ اس کے خلاف مضمون لکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے دھمکی کے انداز میں کہا کہ تم لوگ مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان پر کفار و مشرکین کے احکام منطبق کر رہے ہو' یہ چیز ناقابل برداشت ہے۔ میں اس کا نوٹس لینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کو یہ غلط فہمی ہے' ہمارا یہ خیال نہیں ہے۔ ان کے سوال پر میں نے مسئلہ کی وہ صورت بیان کی جو حقیقت شرک میں بیان ہوئی ہے۔ میری تقریر سن کر سید صاحب مرحوم حیران رہ گئے۔ پھر فرمایا کہ مرزا غلام احمد جاہل آدمی تھا' اس کو چند پڑھے لکھے آدمی مل گئے اور انہوں نے اس کو مسلمانوں کے لیے ایک فتنہ بنا دیا۔ یہی صورت میں یہاں دیکھ رہا ہوں۔ مودودی صاحب خود تو جاہل ہیں مگر تم ان کو مضبوط سپر مل گئے ہو۔ اس زمانے میں حقیقت شرک چھپ رہی تھی چنانچہ میں نے ایک فصل لکھ کر اس میں اضافہ کر دیا۔ کتاب چھپنے پر اس فصل کو پڑھ کر مسعود عالم ندوی نے مجھ سے کہا کہ میں تمہاری کتاب پڑھ کر اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ تم نے جماعت کو ایک بہت بڑے خطرے سے بچا لیا۔ "امیر المومنین صاحب" نے اگرچہ اعتراف تو نہیں فرمایا لیکن میرے نظریے کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں اپنا لیا۔ اور میرے لیے یہ چیز بس تھی۔

جہاں تک ذمیوں کے مسئلے کا تعلق ہے مجھے اس سوال پر لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہی اس وجہ سے کہ اس مسئلے پر جماعت کے لٹریچر میں مودودی صاحب کی جو کتاب "ذمیوں کے حقوق' کے نام سے موجود تھی اس پر ملک کے ذہین طبقہ کو اعتراض تھا کہ اس زمانے میں غیر مسلموں کے حقوق کا یہ حل ناقابل قبول ہے اور ملک کے اہل سیاست اس اعتراض کو نظام اسلامی کے خلاف ایک اعتراض کے طور پر پیش کرتے تھے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھ کر میں نے اپنا رسالہ لکھا اور اس نے اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کیا۔ چنانچہ سردار عبد الرب نشتر مرحوم نے تحقیقاتی عدالت کے سامنے اس امر کا اعتراف کیا کہ وہ اس مسئلہ

میں سب سے زیادہ قابل اطمینان نقطہ نظر میرے نقطہ نظر کو سمجھتے ہیں۔ میری رائے سامنے آ جانے کے بعد امیر صاحب اور ان کے خاص حواریوں کو اس بات کا برابر صدمہ رہا کہ اس سے مودودی صاحب کے علم کی سطحیت نمایاں ہوئی۔ چنانچہ وہ اس بات کی برابر کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اس تحقیق کو اپنے کارناموں میں دکھائیں۔ مجھے ان چیزوں کی کبھی فکر نہیں ہوتی۔

محمود احمد لودھی

28۔ لفظ 'رحمان' پر کچھ بحث تو میں نے تفسیر سورہ فاتحہ میں کی ہے۔ وہ آپ کے علم میں ہو گی۔ مزید باتیں میں نے خالد مسعود صاحب سے کہا ہے کہ وہ آپ کو لکھ بھیجیں۔ میرے نزدیک یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ عرب اس نام سے ناآشنا تھے اس وجہ سے وہ اس سے بدکتے تھے۔ یہ دعویٰ بھی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کہ اس لفظ کو عرب شعراء میں سے صرف نصرانی شعراء نے استعمال کیا ہے۔ جن لوگوں کی کلام عرب پر نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ لفظ نصرانی اور غیر نصرانی دونوں ہی قسم کے شاعروں نے استعمال کیا ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عربوں میں اس صفت کا استعمال رائج اہل کتاب ہی کے ذریعے سے ہوا۔ لیکن یہ قطعی ہے کہ یہ استعمال ظہور اسلام سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اسلام کے ظہور کے بعد قریش نے جب اس کی مخالفت شروع کی تو ضد میں آ کر جس طرح انہوں نے آنحضرت ﷺ پر یہ الزام لگایا کہ اہل کتاب سے ان کا گٹھ جوڑ ہے اور یہ جو کچھ کہتے ہیں ان سے سیکھ کر کہتے ہیں' اسی طرح ان کو ان الفاظ کے اندر بھی اہل کتاب کی سازش کی بو محسوس ہونے لگی جن کو اگرچہ وہ خود بھی جانتے اور استعمال کرتے تھے لیکن اب اس بدگمانی کے بعد ان کو وہ اپنی اس مزعومہ سازش کی دلیل سمجھنے لگ گئے تھے۔ اس قسم کا تجربہ ہمیں زمانہ تقسیم کے تعصبات کے دور میں خود اپنے ملک میں بھی ہو چکا ہے۔ جو الفاظ دونوں قوموں کے ادیب بالکل بے تکلف استعمال کرتے رہے تھے ضد کا بخار چڑھ جانے کے بعد وہ ان کو ایک دوسرے کے اثر و اقتدار کی علامت سمجھ کر ان سے بدکنے لگ گئے۔

محمود احمد لودھی

لاہور

29۔ آپ کا خط ملا۔ اب کے آپ نے کچھ دیر میں خط لکھا اس وجہ سے آپ کی خیریت کے لیے انتظار پیدا ہو چکا تھا۔ میں نے بھی کچھ دیر کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادھر بچے کچھ بیمار رہے جس کے سبب سے دل جمعی حاصل نہیں رہی۔ خوشی ہوتی ہے کہ آپ یاد رکھتے ہیں اور اس سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ کے مطالعہ کا سلسلہ قائم ہے......

میثاق تو معلوم ہوتا ہے...... صاحب لے ڈوبے۔ اس کا بند ہونا میری خواہش کے خلاف ہوا۔ معلوم نہیں اس کا ڈیکلریشن بھی ختم ہو چکا ہے یا زندہ ہے...... صاحب اول تو آتے نہیں' آتے ہیں تو مجھ سے ملتے نہیں۔ اگرچہ میرے پاس کوئی آدمی نہیں ہے تاہم میں اس کو بند کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اور کچھ نہیں تو تفسیری نکلتی رہتی۔ میں مالی مشکلات سے زیادہ پریشان نہیں ہوتا۔ میری زندگی ہمیشہ ایسی ہی گزری ہے۔ جو باقی ہے وہ بھی غالباً ایسی ہی گزرے گی۔ میں اس سے زیادہ کا طالب بھی نہیں ہوا کہ کام کسی طرح چلتا رہے۔

غلامی اسلام کے نظام کا کوئی جزو نہیں ہے۔ اسلام نے اس کو اس لیے گوارا کیا تھا کہ اس وقت جنگی قیدیوں کا اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا۔ ایک بین الاقوامی مسئلے میں اسلام یہ تو کر نہیں سکتا تھا کہ اس کو یک قلم ختم کر دے' البتہ اس نے اپنے نظام میں اس کی شکل ایسی رکھی کہ غلام معاشرے میں اپنے حقوق رکھیں اور بالتدریج ان کی آزادی کی راہیں کھلیں' بلکہ جو ذی صلاحیت ہوں وہ چاہیں تو مکاتبت کے قانون کے تحت بہت جلد آزادی حاصل کر لیں۔ اب یہ بات عین منشائے اسلام کے مطابق ہوئی ہے کہ غلامی کا سسٹم بین الاقوامی طور پر ختم ہو گیا......

محمود احمد لودھی

لاہور: 28 اپریل

30۔ آپ کے دونوں خط مجھے مل گئے۔ امید ہے کہ میرا معذرت نامہ آپ کو مل گیا ہو گا اور تاخیر جواب سے آپ کو کوئی شکایت نہ ہو گی۔ یہ پورا عشرہ میرا سخت مصروفیت اور کسی قدر پریشانی میں گزرا۔ اول تو باہر کے مہمان آ گئے' پھر میں بھی کچھ بیمار پڑ گیا۔ اس کے علاوہ گھر میں ان دنوں علالت رہی جو اب بھی ہے۔ مزید برآں ادھر یونیورسٹی اور کالجوں میں مجھے تقریریں کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ سب باتیں تاخیر جواب کا باعث ہوئیں۔ امید ہے اس سے آپ کو کوئی بددلی نہ ہو گی۔

مجھے اس بات سے اطمینان ہوا کہ آپ داڑھی کو دین کا ایک جزو مانتی ہیں۔ اگر مانتی ہیں تو پھر اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پیدا ہوتا کہ یہ چھوٹا جزو ہے یا بڑا جزو۔ اگر چھوٹا جزو ہے جب بھی انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ اس کا اہتمام کرے۔ جو باتیں چھوٹی ہوتی ہیں' سچ پوچھیے تو دین کے ساتھ آدمی کے گہرے تعلق کا اظہار انہی کے اہتمام سے ہوتا ہے۔ جو آدمی دین کے فرائض و واجبات سے غفلت کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا اہتمام کرتا ہے' وہ تو بلاشبہ' حضرت مسیحؑ کے ارشاد کے مطابق' مچھر کو چھانتا اور اونٹ کو نگلتا ہے۔ لیکن جو آدمی فرائض و واجبات کو ادا کرتا ہے اس کے لیے چھوٹی چیزوں سے بے پروائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایک شخص لوگوں کی ہزاروں لاکھوں کی امانتیں ادا کرتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ کسی کے چند روپوں کی امانت میں خیانت کر کے خائن اور نادہند کہلائے۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ جو لوگ دین کی بنیادی باتوں میں سرگرم ہوتے ہیں وہ جزئیات کے اہتمام میں بھی بڑے سرگرم

ہوتے ہیں۔ وہ یہ نہیں پسند کرتے کہ وہ خدا اور رسول سے کسی معمولی بات کے معاملے میں شرمندہ ہوں۔

ایک دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ دین کی کسی بات کو' خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی' اگر لوگ حقیر سمجھنے لگیں اور اس کا اختیار کرنا تہذیب اور فیشن کے خلاف سمجھا جانے لگے تو ہر صاحب ایمان پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اہل زمانہ کے علی الرغم وہ اس چیز کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ جو مسلمان دین کی کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لیے یہ غیرت دکھاتا ہے اور مذاق زمانہ سے مرعوب ہوئے بغیر اس کا اہتمام کرتا ہے اور اس کی خاطر اندر اور باہر کے لوگوں کے طعن و تشنیع کا ہدف بنتا ہے' دین میں اس شخص کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کا ہے۔ چنانچہ اس دور میں جو تعلیم یافتہ نوجوان کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں بھی داڑھی رکھتے ہیں میں ان کو مجاہد سمجھتا ہوں اور انہی سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ اس زمانے میں وہ اسلام کی کچھ خدمت کر سکیں گے۔ علی ھذا القیاس جدید تعلیم پائی ہوئی ان لڑکیوں کے لیے بھی میرے دل میں بڑا احترام ہے جو محض حکم شریعت ہونے کی بنا پر پردہ کا اہتمام کرتی ہیں' اس لیے کہ تہذیب جدید کے ماحول میں پردہ بھی اسی طرح مذاق بن کے رہ گیا ہے جس طرح داڑھی۔

درحقیقت دین کے احکام کی قدر و قیمت کے تعین میں ان حالات کو بڑا دخل ہوتا ہے جن حالات میں وہ کام انجام دیے جاتے ہیں۔ اگر دین کا ایک چھوٹے سے چھوٹا کام بھی ایسے زمانے میں کیا جائے جس زمانے میں اس کام کا کرنے والا ہر محفل میں نکو بن جاتا ہو تو اس کام کا درجہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ اس زمانے میں داڑھی صرف ایک نیکی ہی نہیں بلکہ آدمی کی ایمانی غیرت اور اس کے عزم و رسوخ کا سب سے بڑا نشان ہے۔

یہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس مفروضے پر کہا ہے کہ داڑھی ایک چھوٹی چیز ہے۔ لیکن میرے نزدیک داڑھی چھوٹی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک ملی و اسلامی شعار کی ہے۔ یہ ایک مسلمان کے مسلمان ہونے کی ظاہری علامت ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی شخص اس کو مٹاتا ہے تو وہ ایک اسلامی شعار کو مٹاتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص اپنے مسلمان ہونے پر احساس فخر کی بجائے احساس کمتری میں مبتلا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ جو شخص اپنے دین کے معاملے میں احساس کمتری میں مبتلا ہو اس سے کس خیر کی امید کی جا سکتی ہے۔

آخر میں یہ بات بھی عرض کروں کہ جو لوگ دین کی معمولی باتوں کی ہمت نہیں رکھتے ان سے دین کے کسی بڑے کام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایک پیسے میں چور ہے' ایک لاکھ کی امانت کس طرح ادا کر سکتا ہے۔

بیگم توصیف محمود

لاہور

31۔ عنایت نامہ موصول ہوا- اس حسن ظن کریمانہ کے لیے دل سے شکر گزار ہوں- اس دوران میں آپ کے خطرناک اقدام کے سبب سے بڑی الجھن رہی- بارہا دل چاہا کہ عریضہ لکھ کر اپنا فرض خیر خواہی ادا کروں لیکن لیڈر لوگوں کو خط لکھتے ہوئے دل بہت ڈرتا ہے- بہرحال بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے مخالفوں کو خوش ہونے کا موقع نہیں دیا- زندگی اللہ کی امانت ہے- آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ اس کو ہر داؤں پر لگا دیں-

مولانا آزاد رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر کے بعض مباحث اتنے قیمتی ہیں کہ وہ دوسروں کے ہزاروں صفحات پر بھاری ہیں- میں نے بھی اپنی کتاب میں ان سے استفادہ کیا ہے اور ان کا حوالہ دیا ہے- مثلاً ذوالقرنین کی بحث (اس وقت کتاب میں یہ حوالہ نہیں ہے- مسودہ میں یہ حاشیہ پر تھا- معلوم ہوتا ہے کتابت سے رہ گیا-مدیر)- اور بھی متعدد مباحث نہایت قیمتی ہیں- مجھے مولانا کے بعض نظریات سے اختلاف ہے اور میں نے نام لیے بغیر ان پر تنقید بھی کی ہے لیکن اس کے باوجود میری نظر میں ان کی اور ان کی کتاب کی بڑی عظمت ہے-

اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ قرآن کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں- اللہ تعالیٰ اس ارادہ میں برکت دے- آپ یہ کام شروع کریں تو میں آپ کے لیے ہر نماز میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان اور آپ کے قلم کو اس خدمت میں لگا دے-

شورش کاشمیری- لاہور

لاہور: 22 جنوری 73ء

32۔ میرا کہیں آنا جانا اب آسان نہیں رہا- اب میں بدرجہ مجبوری ہی گھر سے نکلتا ہوں اور وہ بھی اس شکل میں کہ کوئی لاد کر لے جاتا ہے اور لاد کر چھوڑ جاتا ہے- بہرے ہو جانے کے باعث مجالس سے طبیعت گھبراتی ہے- بلکہ سچ پوچھیے تو سخت شرمندگی ہوتی ہے- جو شخص کسی کی سنتا نہیں اس کو دوسروں کو سنانے کا بھی حق نہیں ہے- پھر ابھی تو موسم بہت سخت ہے- ذرا معتدل ہونے دیجیے تو اس مسئلہ پر غور کر لیں گے-

اگر آخرت نہیں ہے تو اس دنیا کا خالق بڑا ستم گر اور کھلنڈرا ہے- اس کی شکر گزاری تو درکنار' میں اس کی دنیا میں ایک لمحہ جینا بھی پسند نہیں کرتا- پھر روم کے ظالم بادشاہوں کے تھیٹر اور اس دنیا میں کیا فرق رہا؟ تفسیر میں اس مسئلہ پر میں نے بہت بحث کی ہے-

'التکمیل' کی عبارت آپ نے بالکل غلط نقل کی ہے- تاہم اس میں جو اصول بیان ہوا ہے وہ بالکل صحیح ہے- اگر مسودات نقل ہو جائیں تو میں ان کے خلا کو بھرنے کی کوشش کروں گا- مگر صحت کا تاحد مقدور اہتمام کیجیے- آپ کے اس حوالہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس کو پڑھنے میں ناکامی ہو رہی ہے- آپ کی عربی اتنی کمزور تو نہیں!

قرآن اکیڈمی کا انحصار آپ لوگوں کے شوق اور حوصلہ پر ہے- میرے اندر تو بس ایک خواہش ہے- اگر آپ لوگ آگے بڑھنے پر تیار ہو گئے' تو میری دعائیں بھی ساتھ ہیں-

محمود احمد لودھی

رحمان آباد: 18 جنوری 74ء

33۔ میں نے یہاں پہنچتے ہی غالباً 10 مئی کو ایک خط عزیزی توصیف سلمہا کو آپ کے توسط سے لکھا تھا- معلوم نہیں پہنچا یا نہیں؟ مجھے اس کے جواب کا شدت سے انتظار رہا اور ہے- میری دعا ہے کہ ان کی ذہنی الجھن دور ہو جائے اور آپ لوگوں کو خوشگوار زندگی کا سکون حاصل ہو- مجھے اس معاملے سے اس درجہ شدید تعلق خاطر ہے کہ ہرچند میرے لیے سفر نہایت مشکل ہے' لیکن میں عزیزی توصیف کی خاطر اگر ضرورت ہو تو پھر سفر کے لیے تیار ہوں اور اگر خدا نخواستہ ان کا کوئی اطمینان بخش خط نہ آیا تو مجبوراً رخت سفر باندھوں گا اور روانہ ہو جاؤں گا-

ان کو میری طرف سے پیغام دیجیے کہ جادو وغیرہ کا وہم اپنے ذہن سے بالکل نکال دیں- اس قسم کے اوہام جاہلوں کے اندر ہوتے ہیں- ان جیسی تعلیم یافتہ خاتون کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ کسی جاہلانہ وہم میں مبتلا ہوں- اگر ان کو میرے علم پر اطمینان ہے تو میں ان کو یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ محض ایک شیطانی وسوسہ ہے جس میں مبتلا ہونا ایمان کے منافی ہے- اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی شیطانی عمل کسی پر اثر انداز نہیں ہوتا- اور شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے نماز کی پابندی اور تعوذ کافی ہے-

دوسری بات ان کو یہ پہنچایئے کہ دروازے پر جو مہمان بھی آئے' جس وقت بھی آئے' خوش دلی کے ساتھ اس کا خیر مقدم اور حسب توفیق اس کی تواضع ایک اسلامی ذمہ داری ہے' اور اس ذمہ داری کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنا اصلاً گھر کی مالکہ کا کام ہے- اگر اس میں ادنیٰ کوتاہی بھی ہو تو اس سے میاں بیوی بلکہ پورے خاندان کی عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ساتھ ہی گھر کی برکت بھی اٹھ جاتی ہے- مہمانوں کے درمیان یہ تفریق بالکل ناجائز ہے کہ وہ بیوی کا مہمان ہے یا شوہر کا- ہر مہمان پورے گھر کا مہمان ہوتا ہے اور خاطر مدارات کی ذمہ داری' جیسا کہ میں نے عرض کیا' گھر کی مالکہ پر ہوتی ہے-

عزیزی توصیف کو بتایئے کہ وہ مجھے اپنی لڑکیوں کی طرح عزیز ہیں- اس وجہ سے انہیں وہی نصیحتیں کر رہا ہوں جو مریم اور شیما سلمہما کو کرتا ہوں- اگر انہوں نے میری بات نہ مانی تو نہایت عزیز بچوں کا مستقبل برباد ہو جائے گا اور مجھے اس دور زندگی میں یہ صدمہ---- نہایت دل شکن صدمہ--- اٹھانا پڑے گا کہ میری نصیحت ان لوگوں پر کارگر نہ ہوئی جو مجھے نہایت عزیز تھے- اس خط کا جواب آپ دونوں مل کر دیں اور جلد دیں-

میں ان دنوں نہایت مصروف ہوں لیکن اس کے باوجود میں نے یہ دوسرا خط لکھنے کے لیے وقت نکال لیا۔

محمود احمد لودھی

رحمان آباد: مئی 74ء

34۔ نوازش نامہ ہم رشتہ سوال نامہ موصول ہوا۔ اس توجہ فرمائی کے لیے دل سے شکرگزار ہوں۔ سوال نامہ کے جواب کے لیے کچھ فرصت درکار ہو گی۔ بروقت گرامی نامہ کے جواب میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ اس سے امید ہے کہ قادیانیوں کی تکفیر اور مسئلہ اجماع دونوں سے متعلق میری رائے واضح ہو جائے گی۔ اگر اس کے بعد بھی آپ نے کسی مزید وضاحت کی ضرورت محسوس فرمائی تو اپنے علم کے حد تک سوال نامہ کا جواب بھی لکھ دوں گا۔

قادیانیوں کی تکفیر اصل ماخذ دین --- کتاب اللہ اور سنت رسولؐ --- کے قطعی نصوص پر مبنی ہے۔ احزاب کی آیت ۴۰ میں رسول اللہ ﷺ کے منصب خاص کی وضاحت '**ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین**' کے الفاظ سے فرمائی گئی ہے۔ پھر متعدد روایات سے جو موطا' بخاری' مسلم' ترمذی' سب میں مذکور ہیں' حضور ﷺ نے 'خاتم النبیین' کی تفسیر بھی فرما دی ہے کہ اب آپ کے ذریعہ سے دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ان قطعی نصوص کی بناء پر پوری امت مسلمہ کا روز اول سے یہ عقیدہ ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے ختم نبوت پر ایمان لانا واجب ہے' اس کے بغیر کوئی شخص آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والا نہیں بن سکتا۔

جو باتیں کتاب و سنت کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہوں ان کے بارے میں اجماع اور غیر اجماع کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اجماع کا سوال اجتہادی مسائل میں پیدا ہوتا ہے' اس لیے کہ اجتہاد کسی منفرد مجتہد کا بھی ہو سکتا ہے اور وقت کے تمام مجتہدین کا بھی۔ جس اجتہاد پر وقت کے تمام مجتہدین مجتمع ہوں وہ اصل اجماع ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں جو اجماع ہوئے ہیں ان کا درجہ یہی ہے۔ بعد کے ادوار میں جب اسلامی حکومت منتشر ہو گئی کسی امر اجتہادی میں اجماع معلوم کرنا آسان نہیں رہا' تاہم خاتم النبیین کے مفہوم یا ختم نبوت کے عقیدہ کے بارے میں خلفائے راشدین کے دور سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ بعض گمراہ اشخاص نے اگر نبوت کا دعویٰ کیا تو اسلامی حکومت نے انہیں قتل کرا دیا کہ انہوں نے ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ کے خلاف بغاوت کی ہے۔ اس دور آخر میں مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا تو وہ بھی مستحق تو دراصل اسی سزا کے تھے لیکن وہ کافروں کی حکومت کے زیر سایہ بچے رہے۔ اب پاکستان کی حکومت نے اگر ان کے پیرووں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے تو یہ ان کے ساتھ ایک رعایت ہے۔

35۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ خیریت معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی۔ مرسلہ مضمون نظر سے گزرا۔ اس قسم کی چیزیں لائق توجہ نہیں ہوا کرتیں۔ یہ دور اسی قسم کے سفلوں اور سفلہ پروروں کا ہے۔ ان کو نظرانداز کیجیے۔

ماجد صاحب (مولانا عبدالماجد دریا بادی مراد ہیں--مدیر) کی کتاب پڑھنے کا شوق آپ نے پیدا کر دیا۔ دیکھیے کہیں مل گئی تو پڑھنے کی کوشش کروں گا۔ اس طرح کی چیزیں آپ کے واسطہ سے مجھے ملتی تھیں۔ اب یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جو میری خاطر یہ اہتمام کرے۔

'رزق' کا اولین مفہوم' خاص طور پر فعل کی صورت میں' تو رزق مادی ہی ہے' لیکن قرینہ موجود ہو تو اس کو مجازی معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ اپنی دوسری صلاحیتوں سے اپنے ابنائے جنس کو فائدہ پہنچانا انسان کے فرائض میں سے ہے اور اس کی تاکید نہایت واضح لفظوں میں قرآن میں کی گئی ہے۔ آیت زیر بحث سے یہ نکتہ نکالنا محض تکلف ہے۔

محمد احسن خان

۲۲ فروری ۱۹۸۲ء

36۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ ایک مدت دراز کے بعد اچانک عطوفت نامہ کا نزول طویل حبس کے بعد ابر رحمت کے برسنے سے زیادہ خوش آئند تھا۔ اس توجہ فرمائی کا دلی شکریہ۔ میں نے اس کی رسید بھجوا دی تھی اور خط رکھ لیا تھا کہ بعض ضروری کاموں سے فرصت پانے کے بعد مفصل جواب لکھوں گا۔ لیکن آج جواب لکھنا چاہا تو دو صفحے لکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ اس طول کلام سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میرے اور آپ کے درمیان ایک اصولی اختلاف ایسا ہے کہ میں آپ کو اپنی کسی رائے کا قائل نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ میں کوئی رائے اختیار کرنے میں اصل اہمیت دلیل کو دیتا ہوں' اشخاص کی اہمیت میرے نزدیک ثانوی ہے۔ اس کے برعکس آپ کا اصل اعتماد اشخاص پر ہوتا ہے' دلیل کو آپ دوسرے درجہ میں رکھتے ہیں۔

میں اس معاملہ میں آپ کو ملامت نہیں کرتا۔ اول تو اس میں مزاج کو دخل ہے۔ ثانیاً میری ذمہ داریاں آپ کی ذمہ داریوں سے مختلف ہیں۔ مجھ پر تحقیق سے اگر کوئی حق واضح ہو جائے تو واجب ہے کہ اس کو عندالضرورت برملا کہوں اگرچہ میرا سر قلم کر دیا جائے۔ لیکن آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے۔

رجم کے معاملہ میں آپ کو میری رائے سمجھ میں نہیں آئی' لیکن جو رائے آپ اختیار کیے ہوئے ہیں کیا آپ اس کو سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں بلکہ محض تقلید کی بناء پر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ آپ تقلید کے ساتھ کسی مسلک کو اختیار کر کے عند اللہ بری ہو سکتے ہیں لیکن میں نہیں بری ہو سکتا۔ اگر آپ نے سوچ سمجھ کر یہ رائے قائم کی ہے تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ سے چند سوال کروں اور آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ ان حضرات سے پوچھ کر مجھے جواب دیجیے جن پر آپ کو اعتماد ہے بشرطیکہ

ان کے جواب سے آپ کو تشفی ہو گئی ہو۔

خبر واحد سے متعلق آپ نے جو سوال کیا ہے اس سے مجھے گمان ہوتا ہے کہ غالباً آپ نے میرا وہ لیکچر نہیں پڑھا یا غور سے نہیں پڑھا جو تدبر کی دسمبر 83ء کی اشاعت میں چھپا ہے۔ اس میں میں نے اخبار احاد کی حجیت کے عنوان سے مالکیہ، احناف اور شوافع تینوں فقہی گروہوں کی رائیں بیان کی ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ شوافع کی رائے خود ان کی پیش کردہ روایات کی روشنی میں کمزور ہے۔ مالکیہ اور احناف کے مسلک کی تحسین کی ہے اور خود اپنا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ اسلام میں علم دین کا معاملہ اخبار متواترہ کے ساتھ نہیں بندھا ہوا ہے۔ خبر واحد سے بھی علم نبی حاصل ہوتا ہے، لیکن سند میں ضعف کے بعض ایسے پہلو ہیں جو خود اس کی تعبیر کے اجزاء کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اور جن کو تفصیل سے میں ایک مستقل لیکچر میں بیان کر چکا ہوں۔ اس وجہ سے مجرد سند کے اعتماد پر کسی روایت کو قبول کر لینا احتیاط کے خلاف ہے۔ ضروری ہے کہ اس کو تحقیق حدیث کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھ کر قبول کیجئے۔ ساتھ ہی مالکیہ اور احناف کا یہ مسلک بیان کیا ہے کہ مقدم الذکر اہل مدینہ کے عمل کے بالمقابل اور ثانی الذکر عام ضرورت کے مسائل میں اخبار احاد کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ عند الضرورت قیاس و اجتہاد کو اختیار کرتے ہیں۔

میری یہ رائے اہل حدیث کے خلاف تو ضرور ہے لیکن آپ کو اس پر کیا اعتراض ہے؟ اگر اہل حدیث کی مخالفت کا اعتراض ہے تو مجھے اہل حدیث حضرات سے ۹۵ فی صد اختلاف ہے۔ اور میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ اہل حدیث حضرات سے زیادہ حدیث سے نابلد کوئی گروہ بھی نہیں ہے۔

گرامی نامہ میں آپ نے دو ہی سوال چھیڑے ہیں۔ شائد آپ کے سامنے ابھی عورتوں کی دیت کا مسئلہ نہیں آیا ہے۔ اس میں بھی آپ کے مولوی صاحبان کا دعویٰ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہونے پر فقہا کا اجماع ہے لیکن میں نے ایک سوال کے جواب میں اپنی یہ رائے ظاہر کر دی ہے کہ اس مسئلہ میں ان مولوی صاحبان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ میری اس رائے پر بھی یہ حضرات امت سے خارج ہونے کا فتویٰ دیں گے لیکن میں اگر ان لوگوں کی ان عامیانہ باتوں کی پروا کروں گا تو میں نے ساری عمر قرآن و حدیث کے مطالعہ میں بسر کر کے کیا حاصل کیا؟

میں نے یہ باتیں صاف صاف اس لیے عرض کر دی ہیں کہ میرے کرم فرماؤں کو میرے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ اس عمر میں میں نے حدیث پر تدبر کے طریقوں پر محض اس لیے لیکچر دیے ہیں کہ آپ حضرات اس باب میں بھی میرا مسلک اچھی طرح سمجھ لیں۔ مجھے افسوس ہو گا اگر میری ان محنتوں کی قدر آپ لوگ نہ کریں گے اور بغیر ان کو پڑھے محض کسی مولوی صاحب کی سرگوشی پر اعتماد کر کے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں گے۔

عزیزی راشدہ اور نور میاں سلمہ ربہ کو میری طرف سے دعا اور پیار دیجئے۔ آپ خوش قسمت ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سعادت مند عطا فرمائی۔ میں ان کے لیے صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دین کی خدمت اور اہل دین کی معیت کی توفیق بخشے۔

اس خط کی رسید سے ضرور آگاہ فرمائیے گا۔ جواب کے معاملہ میں آپ کو اختیار ہے۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 5 نومبر 1984ء

37۔ 1۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ قرآنی تعلیمات میں سے کسی ایک چیز کو غور و تحقیق کا موضوع بنانا ابھی آپ کے لیے مناسب نہیں۔ اس میں آپ کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہو گی۔ پہلے پورے قرآن کا مطالعہ کیجئے اور دین کی ساری بنیادی چیزوں کو قرآن کے فریم میں سمجھئے۔

2۔ کلام کے نظام اور اس کے سیاق و سباق کو خاص طور پر نگاہ میں رکھئے۔ اگر آپ عربی نہیں جانتے تو کوئی ایسی تفسیر پیش نظر رکھئے جس سے آپ کے ذہن کو مناسبت ہو۔ ذہن میں جو سوالات پیدا ہوں ان سے گھبرائیے نہیں بلکہ ان کو نوٹ رکھئے اور آگے کے مطالعہ میں اگر ان کو حل کرنے والی کوئی چیز ملے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

3۔ عربی سیکھنے پر پوری توجہ صرف کیجئے اور فی الحال قرآن اور تفسیر کے مطالعہ میں بھی اس چیز کو زیادہ اہمیت دیجئے۔

4۔ شان نزول اور احوال عرب کے زیادہ درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شان نزول اور کلام کے موقع و محل کو خود کلام سے اخذ کرنے کی کوشش کیجئے۔ ایک اعلیٰ کلام اپنے پس منظر اور ماحول کو خود بہتر طریقہ پر واضح کر دیتا ہے۔ اگر اس طرح کی کوئی چیز پڑھئے تو اونچے درجے کے ذی علم لوگوں کی چیز پڑھئے۔ گھٹیا قسم کے کتاب فروشوں کی چیزیں پڑھنے پر وقت صرف نہ کیجئے۔

5۔ کلام کے نظم کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ شروع شروع میں یہ محنت ذہن پر گراں گزرے گی لیکن جب ذہن کو مناسبت ہو جائے گی تو آپ محسوس کریں گے کہ قرآن فہمی کی کلید آپ کو مل گئی۔

6۔ میری جو کتابیں ملیں ان کو پڑھتے رہیں۔ ان سے قرآن کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

وقتاً فوقتاً اپنے کام کی رفتار سے آگاہ فرماتے رہیں۔ آپ کے لیے زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ آپ ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے ناظم خالد مسعود صاحب سے مراسلت رکھیں۔ وہ آپ کے احوال و مسائل سے مجھے باخبر رکھیں گے اور میرے مشورے بھی آپ کو لکھتے رہیں گے۔

لاہور: 13 مارچ 86ء

38۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں مدت سے از خود کچھ لکھنے سے قاصر ہو گیا ہوں۔ اسی لیے تدبر میں میرا جو کچھ چھپتا ہے وہ تقریروں سے مرتبین کا ترتیب دیا ہوا ہوتا ہے۔ مولانا ابو اللیث صاحب کے بارے میں میری معلومات بھی کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں وہ میرے ہم جماعت نہیں رہے' بلکہ میں شائد دو تین برس سینئر تھا اور وہ اتنی ہی مدت جونیئر طالب علم تھے۔ اس زمانہ میں ان کو ایک متین اور سنجیدہ طالب علم کے طور پر جانتا رہا ہوں۔ مدرسہ سے فارغ ہو کر میں نے صحافتی زندگی اختیار کر لی۔ بعد میں جب مولانا فراہیؒ سے پڑھنے دوبارہ سرائے میر آیا تو اس وقت ابو اللیث صاحب ندوہ جا چکے تھے۔ اس لیے میری اور ان کی ملاقاتوں کی زیادہ نوبت نہیں آئی۔ البتہ اس دوران ان سے میری خط و کتابت رہی جو ان کے پاس محفوظ رہی۔ بعد میں ایک مرتبہ انہوں نے مجھے لکھا کہ اگر آپ اس خط و کتابت کو شائع کرنے کی اجازت دے دیں تو اس کا انتظام ہو سکتا ہے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ اب اس خط و کتابت کو شائع کرنے کی افادیت کم اور ضرر زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو شائع نہ کیا۔

میں جماعت اسلامی میں شمولیت کے بعد چونکہ پنجاب کو منتقل ہو گیا اس لیے عملاً میرا رابطہ مولانا ابو اللیث صاحب سے نہیں رہا۔ لہٰذا میں ان کی شخصیت یا ان کی خدمت قومی یا مجاہدات سے براہ راست واقف نہیں ہوا۔ جماعت اسلامی ہند کا تنظیمی تعلق بھی جماعت اسلامی پاکستان کے ساتھ نہ تھا لہٰذا جماعتی تعلق کے حوالہ سے بھی میری معلومات محض شنید پر مبنی ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس صورت حال میں میں حیات نو کے لیے کچھ لکھوانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ امید ہے کہ معذرت قبول کریں گے۔

محمد اسماعیل فلاحی بلریاگنج

بقلم خالد مسعود

لاہور: 25 فروری 1991ء

39۔ خوابوں کے متعلق مولانا کی رائے یہ ہے کہ بیشتر خواب جو ہم آپ دیکھتے ہیں وہ ہمارے اپنے خیالات ہی کا عکس ہوتے ہیں۔ فی الجملہ اچھے خواب سے اچھا شگون اور برے خواب سے برا شگون لینا چاہیے۔ البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام اور بشارت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ وحی کے قبیل سے ہوتے ہیں۔

ارواح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ دنیا کی زندگی کے بعد ان کو عالم برزخ میں رکھا جاتا ہے جہاں نیک ارواح کے لیے بشارت اور بد ارواح کے لیے برے انجام کے آثار موجود ہوتے ہیں۔ قیامت میں ان ارواح کو محاسبہ کے لیے اٹھایا جائے گا۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس گواہی کا ذکر ہے جو وہ اپنی امت کے اعمال کے سلسلہ میں قیامت کے روز دیں گے۔ وہ برملا یہ کہیں گے کہ جب تک میں لوگوں

میں موجود رہا میں نے ان کو فلاں فلاں تعلیم دی۔ جب تو نے مجھے بلا لیا تو پھر جو کچھ یہ کرتے رہے اس کا علم مجھے نہیں ہے۔ تو خود ان کا نگہبان تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے ظاہر و باطن کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے جو سمیع و بصیر و علیم ہے۔ کوئی دوسرا خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ' خدا کی اس صفت میں شریک نہیں ہو سکتا۔

قرآن نے مرنے کے بعد صرف عالم برزخ کی حیات کا تصور دیا ہے جو ظاہر ہے کہ اس دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔

امید ہے کہ یہ اشارات آپ کے سوالوں کے جواب میں کفایت کریں گے۔

م۔ ا۔ ص۔ کراچی

بقلم خالد مسعود

لاہور: 28 ستمبر 91ء

40۔ ...... مولانا طب نبوی کی احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور ان کو طب کا ماخذ نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک ان میں بعض اسی طرح کی معلومات ہو سکتی ہیں جیسے سادہ دیہاتی معاشرہ میں لوگ گرد و پیش کی چیزوں سے کچھ کام چلا لیتے ہیں۔ یہ باقاعدہ طب نہیں ہوتی۔

مولانا کے نزدیک تعدیہ مرض بعض صورتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اعتقاد یہی ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ وبا کے زور کے ماحول میں بھی جن کو اللہ چاہتا ہے بیماری لاحق نہیں ہونے دیتا۔ بندہ جب یہ تصور رکھے کہ میں ہر وقت اللہ کی تقدیر کے ساتھ بندھا ہوا ہوں تو وہ نہ وبا کی جگہ سے باہر بھاگے گا اور نہ وبا کے علاقے میں خواہ مخواہ داخل ہو گا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ بات طاعون عمواس کے دوران انہوں نے فرمائی۔

مولانا زیادہ تفصیل سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اوپر کی سطور سے آپ کو ان کا نقطہ نظر معلوم ہو جائے گا۔

حکیم افتخار الحق تحمیلی۔ لکھنؤ

بقلم: خالد مسعود

علمی و تعلیمی مشاغل

41۔ مولانا عبد الغفار حسن صاحب کو جو خط آپ نے لکھا ہے۔ اس کی نقل موصول ہوئی۔ آپ کے خط کی تصویب یا تردید میرے لئے صرف اس صورت میں ممکن ہے جب مجھے یہ معلوم ہو کہ مولانا نے آپ کو کیا لکھا تھا۔ البتہ میرے پیش نظر اس وقت جو دو کام ہیں اور جن کی طرف میں نے میثاق کے صفحات میں توجہ دلائی ہے ان کے انجام دینے کے لئے ان شرائط کا پایا جانا چنداں اہمیت نہیں رکھتا جن کا ذکر آپ نے فرمایا ہے۔

میرے سامنے جو دو کام ہیں وہ یہ ہیں:

ایک ایسے فکری و تربیتی مرکز کا قیام جو اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے مقابلہ کے لیے بلند پایہ تصنیفات بھی تیار کرے اور اس مقصد کے لیے اشخاص کی تربیت بھی کرے۔

دوسرا ذہین اور سرگرم لوگوں کے ذریعہ سے جس حد تک بھی ممکن ہو معاشرے کو تباہی سے بچانے کی کوشش کرنا۔ ان دونوں کاموں کی ذمہ داری ہر اس مسلمان پر عائد ہوتی ہے جو صورت حال کا احساس رکھتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اگر صاحب جذب و تسخیر اشخاص اٹھیں تو ہماری خوش قسمتی ہے لیکن ان کا انتظار کر کے ہم اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

اس دوران میں جو خطوط مجھے موصول ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کاموں کے لئے وقت اور مال کی قربانی کرنے والے تو موجود ہیں لیکن سب اپنے اپنے مقامی میلانات کے تحت سوچ رہے ہیں جس کے سبب سے کوئی موثر کام نہیں ہو رہا ہے۔ اگر یہ قوتیں ایک بڑے کام کے لئے مجتمع ہو جائیں تو کچھ مفید اور موثر کام ہو سکتا ہے۔ میں نے فروری کے میثاق میں اس چیز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے گا۔

میں درحقیقت موجودہ زمانے کی فاسد عقلیت کو بغیر چیلنج کئے جانے نہیں دینا چاہتا۔ اب یہ اللہ جانتا ہے کہ اس کام کے لئے میرے اندر صلاحیت ہے یا نہیں۔ اور ہے تو کتنی ہے۔

میرے نزدیک یہ کام ضرور ہونا چاہیے اور منظم طور پر ہونا چاہیے ورنہ ہمیں ڈوب مرنا چاہیے۔

سردار محمد اجمل خان لغاری
لاہور: 24 جنوری 60ء

42۔ میری صحت ادھر برابر خراب رہی اس وجہ سے تقریباً دو ہفتے سے لکھنے کا کام بالکل بند ہے۔ درس کا کام کچھ ہو رہا ہے۔

آپ حضرات سے امیدیں تو بہت کچھ تھیں۔ لیکن شکایت الحمد للہ کوئی نہیں ہے۔ آپ اپنے حالات

سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ آپ حالات کے مساعد ہونے کے باوجود میری امیدوں کا ساتھ نہ دے سکے۔ اب تو میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ اپنے سے بن سکے وہ کرو اور مستقبل کا معاملہ اللہ پر چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو کام جاری رہے گا۔ نہ منظور ہو گا تو بند ہو جائے گا۔

میری صحت ادھر برابر خراب رہی اور اب بظاہر یہ تقاضائے عمر ہے۔ میرے سامنے اب اصل مسئلہ کاموں کی تکمیل کا نہیں بلکہ آخرت کی نجات کا ہے۔ چاہتا ہوں کہ مرتے دم تک کچھ خدمت انجام پاتی رہے۔ درس بھی کسی بڑی توقع کے ساتھ نہیں بلکہ محض ادائے فرض کے لیے دے رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ یہ کسی نہ کسی شکل میں آخر دم تک جاری رہے۔

لاہور: 16 اگست 70ء
محمود احمد لودھی

43۔ میری آنکھ بحمد اللہ اب ٹھیک ہے لیکن ابھی نمبر نہیں مل سکا اس وجہ سے عینک نہیں بنی۔ تاہم ایک ہی آنکھ سے کام کچھ نہ کچھ ہو ہی رہا ہے۔ ادھر زیادہ کام نظرثانی کا ہوا ہے' اس وجہ سے اصل کام ابھی التواء میں ہے۔

میں تو مرتے کے پچھ نہ کچھ کر ہی لے گیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آپ لوگ کیا بناتے ہیں۔ خط لکھتے رہیئے میرا کہیں آنا جانا اب کہاں ہوتا ہے۔

لاہور
محمود احمد لودھی

44۔ حلقہ کا کام شروع تو میں نے کر دیا ہے لیکن محض ادائے فرض اور اتمام حجت کے طور پر۔ لوگوں کے اندر ان چیزوں کی طلب بمنزلہ صفر ہے۔ لوگ اس کے لیے تھوڑے سے وقت کی قربانی بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تاہم میرا عزم یہی ہے کہ ایک آدمی بھی مل گیا تو اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا۔ جو لوگ پہلے گروپ سے تعلق رکھتے تھے ان کے اندر بھی میں نے کوئی خاص سرگرمی نہیں پائی۔ اب یہ اللہ کو علم ہے کہ یہ میری کسی خامی کا نتیجہ ہے یا ان حضرات کی.......

ڈھاکے کی آب و ہوا خدا کرے آپ کو راس آئی ہو۔ مزاج مزاج کی بات ہے ورنہ جگہ تو سنا ہے اچھی ہے۔ آپ کی اسکیم معلوم نہیں وہاں کتنا عرصہ قیام کی ہے۔ معلوم نہیں قرآن کے مطالعہ کی فرصت وہاں آپ کو ملتی ہے یا نہیں۔ جہاں رہیے کچھ نہ کچھ کام کرتے رہیے اور امکان کے حد تک دوسروں کو بھی اس کا شوق دلاتے رہیئے۔

میں 10 جولائی کو چند دنوں کے لیے منگلا جا رہا ہوں۔ بچے وہاں گئے ہوئے ہیں۔

محمود احمد لودھی

لاہور

45۔ رمضان سے پہلے میں نے اصول تفسیر پر اپنے دس لیکچرز ریکارڈ کرائے ہیں۔ ان میں پوری ایک کتاب کا مواد ہے اور ایسے اہم مباحث بھی ہیں جو تدبر قرآن کے مقدمہ میں نہیں آ سکے تھے۔ اب اس موضوع پر میرے تمام افکار ضبط میں آ گئے اور ان شاء اللہ اہل علم کے استفادہ کے لئے شائع ہو جائیں گے۔

اب اصول حدیث پر اپنے لیکچرز میں نے ریکارڈ کرانے شروع کر دیے ہیں.... غالباً کل پندرہ لیکچرز اصولی مباحث پر ہوں گے۔ یہ اس لیے ریکارڈ کرا رہا ہوں کہ معلوم نہیں مجھے لکھنے کا موقع ملے نہ ملے۔ افکار کا ضبط میں آ جانا ضروری ہے۔ اگر میں ان کو کتابی شکل میں نہ لا سکا تو شاید اللہ تعالیٰ دوسروں کو ان کے جمع و ترتیب کی توفیق بخشے۔ اب اگرچہ ہر سمت سے ایسی کتاب کے لیے مطالبہ ہو رہا ہے لیکن میری قوت کار اب کم ہو گئی ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جب تک زندہ رکھے اپنے دین کی کوئی چھوٹی موٹی خدمت لیتا رہے۔

ملک عبدالرشید عراقی

لاہور: 15 اگست 1981ء

46۔ محبت نامہ موصول ہوا۔ دلی مسرت ہوئی کہ آپ دونوں میاں بیوی حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سفر کی برکتوں سے آپ دونوں کو زیادہ سے زیادہ بہرہ مند کرے۔ اب میں تو اس قسم کے کسی سفر کا اہل رہا نہیں البتہ دوستوں میں سے کوئی سفر کرتا ہے تو اس پر رشک کرتا اور اس رشک کو عبادت سمجھتا ہوں۔

آپ کا تعزیت نامہ مل گیا تھا۔ اس دوران میں جو خطوط آئے ان کے جواب میں مجھ سے کوتاہی ہوئی جس کی دوستوں کو شکایت ہے اور مجھے شرمندگی۔ لیکن اب اس کی تلافی کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

میں نے ادھر دس لیکچرز اصول تفسیر پر ریکارڈ کرائے ہیں اور اب اصول حدیث پر بھی اپنے خیالات ریکارڈ کرا رہا ہوں۔ یہ بھی غالباً ۱۵ لیکچرز ہوں گے۔ خیال یہ ہے کہ اب لکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے' خیالات محفوظ ہو جانے چاہئیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ جن کو توفیق عطا فرمائے گا وہ ان کو کتابوں کی شکل میں منتقل کر لیں گے۔ اب میری قوت کار کم ہو گئی ہے۔ لکھنے کی امنگ باقی نہیں رہی۔

تزکیہ نفس میں آگے کا حصہ لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ اسی خیال سے تدبر میں اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ خالد صاحب آپ کو اس کی ایک کاپی بھیج رہے ہیں۔

اس مبارک سفر کی دعاؤں میں اس نیازمند کو بھی اور میری مرحومہ بیوی کو بھی' امید ہے' آپ دونوں یاد رکھیں گے۔

محمد احسن خان

لاہور: ۲۹ اگست ۱۹۸۱ء

47۔ ابوسعید سلمہ کے ذریعہ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کے بھائی صاحب کو جو ابتلا پیش آیا اس سے غم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور تمام اعزاء کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں سلام مسنون اور تعزیت پیش کیجئے۔

اس بات سے اطمینان ہوا کہ آپ نے "تدبر" کو معیار کے مطابق پایا۔ الحمد للہ اس کی ترتیب کا سارا کام رفقاء انجام دیتے ہیں۔ آپ کا خط اس میں میری ہدایت پر شائع کیا گیا (یہ خط تدبر کے شمارہ 11 میں شائع ہوا---مدیر) بلکہ اس کا عنوان بھی میں نے ہی نوٹ کرایا۔ اس میں 'مطالعہ کے لیے کتابوں کے لیے کیا معیار ہونا چاہیے' پر آپ نے جو خیال ظاہر کیا وہ مجھے الفاظ اور معنی دونوں ہی اعتبار سے پسند آیا۔ اس وجہ سے میں نے چاہا کہ دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس معاملہ میں آپ حضرات کا زیادہ حساس ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر یہ چیز آدمی کے لیے فتنہ ہے تو ہم گنہگار تو اس فتنہ میں اس طرح مبتلا ہیں کہ اس سے نجات کی کوئی شکل باقی ہی نہیں رہی ہے۔ چاہیں یا نہ چاہیں لیکن چھپنے چھپانے سے اپنے کو بچانا ناممکن ہے۔ میرے نزدیک تو بولنا اور لکھنا دونوں یکساں ہے۔ جس طرح بے ضرورت بولنا گناہ ہے اسی طرح بے ضرورت لکھنا اور چھاپنا بھی گناہ ہے۔ اور اسی اصول پر جس طرح ضرورت پر نہ بولنا گناہ ہے اسی طرح ضرورت پر نہ لکھنا بھی گناہ ہے۔ میرے نزدیک یہ نقطہ نظر زیادہ صحیح ہے۔ اور آپ حضرات کی شدت احتیاط میں صوفیانہ تقشف کی جھلک ہے جو بجائے خود ایک فتنہ ہے۔

آپ نے تشریف آوری کے ارادہ کو ملتوی کر دیا تو بہتر ہے اس کے عذر سے خالد صاحب وغیرہ کو آپ اپنے طور پر آگاہ کر دیں۔ میں آپ کے آنے کا جو منتظر رہتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے آنے سے ذرا ایک حرکت پیدا ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ میری آرزو ہے کہ اب یہ کام کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے۔ جس چیلنج سے اس وقت ہماری قوم دوچار ہے وہ بہت بڑا چیلنج ہے اور دین کے ترجمانوں کا جو حال ہے وہ آخری حد تک مایوس کن ہے۔ میں اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی حد تک دین کو سمجھانے کی کچھ کوشش کرتا ہوا مروں لیکن آخر کچھ ساتھی تو ہونے چاہئیں۔ بہرحال آپ جب بھی وقت نکال سکیں ضرور آئیں۔ فروری مارچ میں سہی۔

شیخ سلطان احمد

لاہور: 4 نومبر 1984ء

48۔ تم جب بھی مجھ سے ملنے آئے تم نے میری زیر تصنیف کتاب "اسلامی ریاست" کا حال ضرور پوچھا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ لوگوں کو اس کی تکمیل کے لیے جلدی ہے۔ میری دلی خواہش بھی یہی تھی کہ کتاب جلد ہی تیار ہو جائے' لیکن میرے ہاتھ کی تکلیف آج کل اس قدر بڑھ گئی ہے کہ کام تقریباً رک سا گیا ہے۔ اب میں نے حکومت کو لکھوایا ہے کہ مجھے اردو ٹائپ رائیٹر رکھنے کی اجازت دی جائے۔ اگر ان حضرات نے اجازت دے دی تو خیر ورنہ سارا کام بند سمجھو۔ مکتبہ جماعت والوں کو مطلع کر دو کہ وہ کتاب کی تکمیل کے لیے جلدی نہ کریں۔ البتہ کتاب کے جو ابواب باہر موجود ہیں اگر ان کو شائع کرنا چاہیں تو شائع کر دیں' مگر چونکہ وہ کتاب کے متفرق ابواب ہیں اس وجہ سے ان کی یکجا اشاعت مفید نہیں ہو گی بلکہ ان کو الگ الگ ترجمان سائز کے رسالوں کی صورت میں چھاپنا مناسب ہو گا۔

نیز ان پر کتاب کے پیش نظر خاکہ کے لحاظ سے نمبر لگا دیئے جائیں تاکہ بقیہ ابواب بھی رسائل ہی کی شکل میں چھپ سکیں اور بعد میں لوگ ان نمبروں کے لحاظ سے ان کو کتابی شکل میں ترتیب دے لیں۔

کتاب کے پیش نظر مطالب کا خاکہ میں یہاں درج کئے دیتا ہوں (1) اسلام اور اسلامی معاشرہ (2) ریاست اسلامی اور اس کے بنیادی اصول (3) اسلامی ریاست کیا نہیں ہے؟ (4) شہریت اور شہری حقوق و فرائض (5) عورتوں کے اجتماعی حقوق و فرائض (6) غیر مسلموں کے حقوق (7) قانون سازی اور تنقید (8) قضا (Judiciary) (9) کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف (10) اطاعت کے حدود و شرائط (11) متفرق دستوری مسائل۔ (12) تعلقات خارجیہ کے اصول۔

مولانا کی کتابوں میں اسٹیفن لیکاک کی کتاب جو سیاست پر ہے بھیج دو۔ اور اگر بلنچلی مل جائے تو کیا کہنے ہیں۔ روغن بادام کا خیال تو تمہیں خود ہی ہو گا۔ ہاں جراب اور ایک جوڑا سوتی موزہ بھی بھجوا دو۔ آج کل عرصے سے مجھے کسی کا کوئی خط نہیں ملا۔ چودھری صاحب اور تمہاری امی کا حال بھی کچھ معلوم نہیں ہوا۔ سب اللہ کے حوالہ ہے۔ اب خدا کے فضل سے مجھے کسی بات سے پریشانی نہیں ہوتی۔ سعید کو دعا۔

ابو صالح اصلاحی نیو سنٹرل جیل ملتان: 8 دسمبر 1949ء

49۔ رجسٹری ملفوف موصول ہوا۔ پرسوں ایک ملفوف خط لکھ چکا ہوں۔ امید ہے ملا ہو گا۔ آپ اپنے جن گرامی ناموں کے جواب کے منتظر رہے وہ مجھے موصول نہیں ہوئے۔ میں جواب ضرور لکھتا ہوں۔ البتہ یہ بات ہے کہ یہاں نہ ڈاک کے آنے کا کوئی انتظام ہے اور نہ جانے کا۔ اس وجہ سے میری بہت سی ڈاک ضائع ہو جاتی ہے.....

مولوی عبد الحسیب صاحب کو میرا بہت بہت سلام لکھ دیجئے۔ وہ میری کتابوں میں سے جس کتاب کو بھی ترجمہ کے لائق خیال کریں شوق سے اس کا ترجمہ کریں۔ میں ان کی اس عزت افزائی کا شکر گزار ہوں۔

اگر یہ چیزیں عرب ممالک میں روشناس ہوں تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ میں خود ان کو اعظم گڑھ کے پتہ پر براہ راست خط لکھ دیتا لیکن یہاں دیہات سے ان کو خط لکھنے میں مجھے زحمت ہو گی..... اگر میرے مضمون یا کسی کتاب کا ترجمہ آپ کو موصول ہو تو اس کو میرے پاس بھی ضرور بھیجئے گا۔

ڈاکٹر عبداللطیف خان رحمان آباد: 17 جنوری 77ء

50۔ دونوں رجسٹری ایک ہی دن خیریت سے پہنچ گئے۔ اس اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں رجسٹرڈ خطوط بھی مجھے عام خطوط ہی کی طرح ملتے ہیں۔

'المجتمع' میں مضمون دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پرچہ معیاری اور اسلامی ہے۔ مولانا عبد الحسیب صاحب ماشاء اللہ اچھی عربی لکھ لیتے ہیں' میں تو اب لکھنے اور بولنے میں تکلف محسوس کرتا ہوں۔ ان کو میری طرف سے سلام اور شکریہ لکھ دیجئے اور اطمینان دلایئے کہ اس خدمت کو جاری رکھیں اور اس قسم کی مسامحات کی زیادہ پروا نہ کریں جن کا انہوں نے حوالہ دیا ہے۔ (المجتمع کویت سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں 'قرآن مجید میں پردہ کے احکام' کا ترجمہ شائع ہوا--- مدیر)

اگر ہجرت والا مضمون بھی آئے تو وہ بھی ضرور بھیجیے اور مولانا سلمہ کو میری کتاب 'اسلامی قانون کی تدوین' کا ایک نسخہ بھی بھیج دیجئے۔ اس کے بعض مباحث بھی ترجمہ کے لائق ہیں۔ اسی طرح 'اسلامی ریاست' بھی چھپ جائے تو وہ بھی ان کی خدمت میں بھیج دی جائے اور 'پاکستانی عورت' بھی۔ ان کتابوں کے مباحث عام دلچسپی کے ہیں۔

...... سورہ ذاریات پر کام شروع کر دیا ہے۔ اس کی تفسیر استاذ امام" لکھ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں بعینہٖ اسی کو تدبر قرآن میں شامل کر لوں گا۔ لیکن تدبر قرآن کے قدر دانوں کا اصرار ہے کہ مجھے ان سورتوں کی تفسیر بھی اپنے نہج پر لکھنی چاہیے جن کی تفسیر مولاناؒ لکھ چکے ہیں۔ لوگوں کی اس خواہش کی تعمیل میں اب میرا کام کچھ بڑھ جائے گا۔

ڈاکٹر عبداللطیف خان رحمان آباد: 26 جنوری 1977ء

51۔ ...... آپ مولانا عبد الحسیب صاحب کو لکھ دیں کہ مولانا فراہیؒ کی عربی تصنیفات کا تعلق تمام تر دائرہ حمیدیہ سے ہے۔ ان کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز مولانا بدرالدین صاحب ہیں۔ رہیں میری تالیفات تو دعوت دین کے عربی ترجمہ کی اجازت میں نے کرامت صاحب کو نہیں دی ہے۔ اگر وہ ترجمہ کرا رہے ہیں تو وہ بطور خود کرا رہے ہیں۔

میں اپنی کتابوں کے معاملے میں شروع ہی سے ایک مظلوم مصنف ہوں اور اپنی اس مظلومیت پر راضی ہوں۔ مولانا عبد الحسیب صاحب کو سلام لکھ دیجئے۔ اور اپنے ہاں ہم دونوں کی طرف سے سب کو دعا و سلام پہنچایئے۔

ڈاکٹر عبداللطیف خان
رحمان آباد: 8 اپریل 79ء

(مولانا کی کتاب 'دعوت دین' کا نہایت ناقص انگریزی ترجمہ کویت سے ایک تاجر کرامت صاحب نے بلا اجازت شائع کر دیا تھا۔ خط میں اس کی طرف اشارہ ہے۔۔۔۔ مدیر)

52۔ ...... اس سے پہلے عبد الحسیب صاحب کے خط پر مشتمل ملفوف کا جواب لکھ چکا ہوں۔ امید ہے موصول ہوا ہو گا۔ ان کو لکھ دیجئے کہ میں ایک مظلوم مصنف ہوں۔ لوگ اسی طرح میری کتابیں اور ان کے ترجمے چھاپ رہے ہیں اور میں بے بس ہوں۔ اگر ان کا ترجمہ تیار ہو تو وہ چھاپ دیں' کرامت صاحب کی پروا نہ کریں۔ انہوں نے عربی ترجمہ کی اجازت مجھ سے نہیں لی ہے۔۔۔۔۔

...... سورہ نازعات پر لکھ رہا ہوں۔ آخری سورتیں بڑی مشکل ہیں۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس سفر کو اتمام تک پہنچائے اور یہ خدمت قبول فرمائے...... تدبر قرآن سے متعلق ادھر بعض اصحاب علم کے خطوط نہایت اہم آئے ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عظیم نعمت بخشی ہے اس کی عظمت کی تعبیر سے زبان و قلم قاصر ہے۔

دہلی میں تدبر قرآن کے ناشر کا پتہ یہ ہے:

جناب نذیر احمد صاحب ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز،
۱۸۔ موتیا محلہ۔ جامع مسجد دہلی۔۶

ڈاکٹر عبد اللطیف خان
رحمان آباد: 17 اپریل 79ء

53۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ اگر آپ حضرات کی یہی مرضی ہے کہ سفرنامہ کی ابتدائی اقساط بھی میثاق میں شائع کی جائیں تو میں آپ حضرات کی خواہش کی تعمیل کر دوں گا۔ ویسے میں اب ان صفحات کو ایک دوسرے سلسلہ کے لیے محفوظ کرنا چاہتا تھا لیکن اندازہ ہوا کہ سفرنامہ کو اکثر لوگ چاہ رہے ہیں۔

تبصرہ کے باب سے میں خود بہت گھبرا رہا ہوں۔ کتابیں جو آتی ہیں وہ اکثر ایسی ہوتی ہیں جن کو میں کسی حالت میں بھی پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوں' خواہ مجھے کتنی ہی فرصت کیوں نہ حاصل ہو جائے۔ بے

پڑھے کچھ لکھنا ان کتابوں کے مصنفین کے ساتھ بھی ناانصافی ہے اور رسالہ کے قارئین کے ساتھ بھی۔ بعض صاحبوں سے یہ کام لینا چاہا تو اندازہ ہوا کہ یہ کام مشکل ہے۔ ہر شخص اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی بالکل قطعی ہے کہ زیادہ دنوں تک اس باب کو معرض التوا میں بھی رکھنا مشکل ہے۔ جب تعلقات رکھنے والے لوگ لکھوا لیتے ہیں تو دوسروں کو اس سے کیوں محروم رکھا جائے۔ رسالہ کے صفحات اگر ہیں تو سب کے ہیں۔ خاص میرے دوستوں ہی کے تو نہیں ہیں۔

علی میاں کی کتاب پر اگر قابل توجہ پہلوؤں کی تفصیل زیادہ کی جاتی تو تبصرہ کا مزاج بدل جاتا۔ ویسے میں نے علی میاں سے زبانی ساری باتیں کہہ دی ہیں۔

محمد احسن خان
لاہور: 10 مارچ 60ء

54۔ خط اور ڈرافٹ موصول ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میثاق نکلوا کے رہیں گے۔ میں تو میثاق کے خیال سے کبھی غافل نہیں ہوا لیکن علیم صاحب (ماہنامہ میثاق کے مینجر۔۔مدیر) ادھر امتحانوں کے چکر میں پڑ گئے اور دوسرا کوئی شخص ایسا تھا نہیں جو اس کام کے لیے وقت دے۔ آپ کے اس خط سے پہلے میں نے علیم صاحب سے آخری گفتگو کی۔ وہ نہ تو اس کے بند کرنے پر راضی ہیں نہ کسی اور کے حوالہ کرنے پر۔ کہتے ہیں اب میں اس کے لیے فارغ ہو رہا ہوں۔ خدا کرے ان کا یہ وعدہ پورا ہو۔ میں خود بھی دل سے چاہتا ہوں کہ میثاق نکلتا رہے۔ ایک خاص حلقے میں اس کی قدر ہے اور یہ لوگ اس کے بند ہونے پر راضی نہیں ہیں۔

آپ کے علاقے سے مجھے وقتاً فوقتاً دعوت نامے ملتے رہتے ہیں لیکن میں سفر سے اب بہت گھبرانے لگا ہوں۔ میری صحت اب سفر کی متحمل نہیں رہی۔ ادھر کچھ خون کے دباؤ کے زیادہ ہونے کا بھی احساس ہوا۔ بچوں کی وجہ سے مصروفیتوں میں بھی کچھ اضافہ ہوا ہے۔ سعید کی واپسی دسمبر سے پہلے متوقع نہیں ہے۔ آموں کا ذکر کرکے آپ نے سینے پر ایک تیر مارا لیکن اب میں آموں سے دور ہو چکا۔ اب یہ نعمت میرے نصیب میں کہاں!

خدا کرے اکتوبر تک آپ کا تبادلہ ہو جائے۔ میں اب مولانا فراہیؒ کی امانت آپ لوگوں کو سپرد کرکے فارغ ہونا چاہتا ہوں۔

محمود احمد لودھی
مورخہ لاہور: 7 مئی 66ء

تزکیہ و تربیت

55۔ آپ نے اپنے خط میں جو جذبات ظاہر کئے ہیں اللہ ان میں برکت دے اور آپ کو دین کے راستے پر چلنے اور دین کی باتیں سیکھنے کا شوق دے۔ اس زمانہ میں اس چیز کی قدر لوگوں کی نگاہوں میں نہیں ہے۔ لوگ صرف وہی علم سیکھتے ہیں جس سے نوکری ملے۔ خدا اور رسولؐ سے اکثروں کو تو کوئی بحث ہی نہیں رہی ہے' اور اگر کسی کسی کو کچھ بحث ہے تو بس اس قدر کہ وقت اور مال اور محنت تو شیطان کی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں' لیکن کچھ زبانی راہ و رسم اللہ میاں سے بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ اکثر لوگ جو اللہ کا نام لیتے ہیں ان کا حال یہی ہے۔ وہ اللہ میاں کو گھر کا ایک بڑا بوڑھا سمجھتے ہیں جو ہے تو (العیاذ باللہ) ایک ناکارہ وجود' لیکن خاندانی روایات کے تحت اس کا احترام باقی رکھنا ضروری ہے۔ آپ ابھی فطرت کے قریب ہیں اس وجہ سے یہ پاکیزہ جذبات آپ کے اندر موجود ہیں۔ میری دعا ہے کہ یہ جذبات ان مخالف حالات کے باوجود زندہ رہیں جن کے اندر آپ کی پرورش ہو رہی ہے۔ بہرحال میرے عزیز! جہاں تک ممکن ہو اچھے آدمیوں کے حالات پڑھو اور انہی کے طریقہ پر چلنے کی کوشش کرو۔ آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہم کے حالات میں جو کتابیں ہیں ان کو خوب پڑھو اور انہی کی سی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ جو لوگ تمہارے گرد و پیش ہیں ان کی عزت و محبت کرتے رہو اور ان کی نصیحتیں بھی خوب توجہ سے سنو مگر ان کے ڈھنگ نہ سیکھو کیونکہ ان کے عمل بہت برے ہیں۔ ان کے سارے ڈھنگ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے ڈھنگ سے بالکل الگ ہیں۔ میں نے آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح یہ نصیحتیں اس وجہ سے کی ہیں کہ میری بیوی کو آپ سے اولاد کی طرح محبت ہے۔ یہ میں ان کی محبت کا حق ادا کر رہا ہوں اور خود مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔

ضیاء الرحمٰن مسعود — نیو سنٹرل جیل ملتان: 13 مئی 1949ء

56۔ پیارے بیٹے! تمہارے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پا کر بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ عزیز سلمہ' کو علم نافع اور عمل صالح کی دولت دے اور اپنے دین کی خدمت کے لائق بنائے۔ امید ہے کہ تم اپنے بھائی جان کے ساتھ خوش رہو گے اور شوق سے پڑھو گے اور اپنی تمام عادتیں ایسی بناؤ گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آئیں۔ اپنی امی اور اپنی آپا کو بھی برابر خط لکھتے رہو۔ اور اپنے ابوسعد بھائی کو بھی کبھی کبھی یاد کیا کرو۔ نماز پڑھنے کی عادت اب پختہ کر ڈالو۔ اور غصہ جو تم میں بہت زیادہ ہے اس کو کم کرو۔ یہ بہت بری چیز ہے۔ اس گرمی میں دھوپ میں نہ پھرنا اور روزانہ کم از کم ایک دفعہ ضرور نہانا۔

میں خدا کے فضل و کرم سے بہت اچھا ہوں۔ پچھلے ہفتہ میں طبیعت ذرا خراب ہو گئی تھی' اب اس کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔ دوسرے حضرات بھی بخیریت ہیں۔

وہاں تمام حضرات کو میرا سلام کہو اور اپنے ساتھیوں کو دعا۔ تمہارے بھائی جان جب خط لکھیں' اس میں تم اپنا رقعہ ضرور ڈال دیا کرو۔ اور اگر وہ خط نہ لکھیں تو تم اوپر لکھے ہوئے پتہ پر خود خط لکھا کرو۔ مجھے تمہاری خیریت کے لئے بڑا انتظار رہتا ہے۔

ابوسعید — نیو سنٹرل جیل ملتان: 20 مئی 1949ء

57۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ انجمن در خلوت بننے کی کوشش کیجئے اور طاؤس کی طرح اپنا باغ و چمن اپنے ساتھ رکھئے تاکہ آپ کو تنہائی کا احساس زیادہ نہ ستائے۔ جو رائے اور جو راہ اختیار کیجئے سوچ سمجھ کر اختیار کیجئے اور پھر مضبوطی کے ساتھ اس پر جم جائیے۔ خاص کر ان مواقع پر اپنے اندر کوئی کمزوری نہ پیدا ہونے دیجئے جو اس رائے یا راہ کے خلاف ترغیب کے ہوں۔ علمی کام میں بھی اپنے ذوق اور صلاحیت کے مطابق کوئی شے اپنے لئے منتخب کر لیجئے۔ اس کو اخلاص و انہماک کے ساتھ کرتے رہئے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوستوں کے ساتھ جس حد تک ممکن ہو تعاون کیجئے۔ مجھے الحمد للہ تنہائی کا احساس کبھی نہیں ہوتا۔ میں اپنے کام پر بالکل مطمئن ہوں۔ حد یہ ہے کہ مجھے کبھی اس بات کی بھی زیادہ پروا نہیں ہوتی کہ خاص احباب کی نگاہوں میں بھی میرے کسی کام کی قدر ہے یا نہیں۔ یہ مقام آدمی کو اپنے اندر کے غنا سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ رحیم آباد میں میرے لئے اپنے اغراض کے سوا اور کوئی کشش ہی نہیں ہے۔ آپ کی ذات بجائے خود ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کے لیے شد رحال کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم جب بھی رحیم آباد کا سفر کرتے ہیں آپ ہی کے لیے کرتے ہیں۔ مالٹے بھی ملتے ہیں' لذیذ کھانے بھی ملتے ہیں' زمینداری کے عقدے بھی حل ہوتے ہیں' اپنی اسکیموں کے لیے عطیے بھی ملتے ہیں' تو ہم اگر رحیم آباد کے سفر میں اپنی ان ضرورتوں کا بھی لحاظ کر لیں تو آخر اس سے آپ کے اخلاص میں کیا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ آخر اہل ایمان کو اللہ کے ساتھ ساتھ جنت کی خواہش بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا اس سے ان کا اخلاص مشتبہ ہو جاتا ہے۔ بس یوں ہی ہمیں بھی سمجھئے۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 12 اپریل 1963ء

آپ کے سوالوں کے جواب میں ایک لفافہ کل لکھ چکا ہوں۔ اگر کوئی بات واضح نہ ہو سکی ہو تو اس کو پھر پوچھ لیجئے۔ آج کے خط میں خمر اور میسر کے متعلق جو نکتہ آپ نے بیان کیا ہے یوں تو بات لطیف معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی تائید میں جب تک قرآن کے اشارات نہ ہوں اس وقت تک میں اس کو ایک لطیفے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ آپ نے جس آیت سے یہ استنباط کیا ہے اس کے لیے حوالہ دیجئے۔

الحمد للہ خون کے دباؤ سے متعلق پھر کوئی شکایت نمایاں نہیں ہوئی لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ

میں سفر کے قابل ہو گیا ہوں اور وہ بھی ڈھاکے کے! اب تو بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے بلانے کی بجائے خود ادھر آنے کی کوشش کریں۔ میری طبیعت میں اب بار بار یہ اضطراب پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو اب کسی دوسرے اہل تک منتقل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگانی چاہیے۔ زندگی کا کیا اعتبار۔ خالد مسعود سلمہ سے میں نے کہا ہے کہ وہ حتی الامکان مولانا مرحوم کے کام کی نوعیت سمجھ لیں۔ یہی گزارش آپ سے بھی کرتا ہوں۔ اگر آپ کا تبادلہ ادھر ہو سکے تو یہ بہت بہتر ہو گا۔ اگر آپ بھی اس کے خواہشمند ہوں تو میں اس کے لیے دعا بھی کر سکتا ہوں۔

محمود احمد لودھی

لاہور: ۷ جون ۶۶ء

58۔ آپ نے 19 جون کے ملفوف میں جو نتائج فکر لکھے ہیں وہ میرے نزدیک قرآن کی روشنی میں ٹھیک ہیں۔ آپ غور و فکر کی ترتیب یہ رکھیں کہ ایک ایک گروپ پر تدبر کریں اور ساتھ ہی پورے قرآن کی تلاوت جاری رکھیں۔ الفاظ کی تحقیق میں قرآن کے استعمالات سے بھی رہنمائی حاصل کریں اور لغت سے بھی۔ فی الحال توجہ آیات کا نظم سمجھنے اور سورہ کا عمود متعین کرنے پر مرکوز کریں۔ نکات اور اسرار پر غور کرنے کی باری بعد میں آئے گی۔

میں نے ..... میثاق ڈاکٹر اسرار صاحب کے حوالے کر دیا۔ اب وہ اس کو نکال رہے ہیں..... معلوم نہیں وہاں آپ کی مصروفیتوں کا کیا حال ہے۔ میری تو خواہش تھی کہ آپ بھی اس میں کچھ لکھنے کے لیے وقت نکالتے۔ اس کے مذاق اور معیار کو قائم رکھنے کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ آپ لوگ اس کے لیے مضامین لکھیں۔

آپ کے لاہور آنے کا آپ سے زیادہ میں طالب ہوں۔ استاذ مرحوم کو آخری دور زندگی میں سب سے زیادہ جستجو چند شاگردوں کی ہوئی تھی۔ یہی حال اس دور میں میرا ہے۔ انہیں کی طرح میں بھی بہت کم لکھ سکا۔ پھر میرے پاس اپنی ہی نہیں بلکہ ان کی بھی امانت ہے۔ یہ تو اللہ کو علم ہے کہ اب کتنی مہلت باقی ہے لیکن اب میں اپنی صحت کی طرف سے زیادہ پر امید نہیں ہوں۔

محمود احمد لودھی

لاہور

59۔ آپ کا خط ملا۔ ماشاء اللہ اب آپ کے ذہن کو قرآن سے مناسبت ہو رہی ہے۔ اب کے آپ نے جو استنباطات نوٹ کیے ہیں وہ قیمتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مناسبت کو بڑھائے۔

حروف مقطعات پر مزید محنت کر کے ایک جامع مضمون لکھ ڈالیے۔ اس سے آپ کے خیالات بھی مجتمع

ہو جائیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے نفع پہنچے گا۔ تدبر کے ساتھ ساتھ اگر کچھ وقت ملے تو لکھنے کی بھی کوشش کیجیے۔ اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے.......

محمود احمد لودھی

لاہور

60۔ لکھنے کے معاملے میں اپنے شرمیلے پن کو خدارا اب دور کر دیجیے۔ اب اس کو طول دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر آپ نے اس حجاب کو دور نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ صلاحیت جلد ہو کر رہ جائے گی اور یہ ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔ اس کے لیے میری دعا اسی وقت کارگر ہو گی جب آپ عملاً کچھ کریں گے۔ اور کچھ نہیں تو پہلے کچھ ترجمہ و تلخیص ہی کا کام شروع کیجیے۔ مولانا کا کوئی مسودہ سامنے رکھ کر لکھیے یا جمہرہ (مراد امام فراہی کی کتاب جمہرۃ البلاغہ ہے۔۔مدیر) کو اردو میں کر ڈالیے۔ مقصود آپ کے حجاب کو توڑنا ہے.....

ادھر دو ہفتے طبیعت بجھی رہی۔ مجھ پر یہ دورے پڑتے رہتے ہیں۔ شکر گزار ہوں کہ آپ لوگ میرے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔

حلقے کا کام بدستور جاری ہے۔ کچھ زیادہ سرگرمی تو نہیں ہے مگر کچھ ایسی بے پروائی بھی نہیں ہے۔ تفسیر کی کتابت تو ہو چکی ہے۔ کاپیاں بھی نصف سے زیادہ پڑھی جا چکی ہیں۔ لیکن طباعت کے باب میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں بھی بشوق منتظر ہوں۔ دیکھیے یہ خواب خوش کب پورا ہوتا ہے۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 13 فروری 67ء

61۔ خوشی ہوئی کہ آپ نے لکھنے کے لیے اسلحہ سنبھال لیے ہیں۔ اصل میں جس سبب سے میں زیادہ زور دے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کام میں جو جھجک ہوتی ہے اس کے دور ہونے کا یہی زمانہ ہے۔ اگر آج یہ دور نہ ہوئی تو پھر اس کا دور ہونا بڑا مشکل ہو گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ کی افادی حیثیت بہت محدود ہو کر رہ جائے گی۔ شہرت حاصل کرنے کی خواہش تو بے شک کوئی اچھی چیز نہیں ہے لیکن حصول کمال کی جدوجہد نہ صرف محمود ہے بلکہ ذی صلاحیت لوگوں کے لیے فرائض میں ہے۔ آپ اپنی ذہانت کی قدر کریں اور اس دور میں اس کی صحیح قدر کی شکل یہی ہے کہ قرآن کو اپنی فکر کا موضوع بنائیں اور اپنے فکر کو عمدہ اسلوب سے پیش کرنے کا سلیقہ پیدا کریں۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 27 فروری 67ء

جماعت اسلامی

62۔ مسیحا۔ رسالہ موصول ہو گیا تھا۔ میں نے اس کو نہایت شوق سے پڑھا۔ اس کی ہر چیز پسند آئی۔ خدا کرے مقبول ہو۔

میرے گھر میں ان دنوں راہوں (مولانا کا سسرالی گاؤں جو اب بھارتی صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیار پور میں ہے---مدیر) ہیں۔ آج کل کچھ صحت خراب ہے۔ رمضان میں میرا ارادہ بھی راہوں ہی میں قیام کا ہے۔ اور رمضان کے بعد مستقلاً اعظم گڑھ منتقل ہو جانے کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو وہیں سے جماعت کی خدمت اور دائرہ کی تجدید کا ارادہ ہے۔ (جماعت سے مراد جماعت اسلامی اور دائرہ سے مراد دائرہ حمیدیہ ہے جو مولانا فراہیؒ کے افکار کی اشاعت کے لیے مولانا مرحوم نے مدرستہ الاصلاح میں 1935 میں قائم کیا تھا۔ ملکی تقسیم کے بعد کے حالات میں مولانا اس فیصلہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے--مدیر)

حکیم محمد مختار اصلاحی — دارالاسلام جمال پور۔ 19 جولائی 1947)

63۔ آدمی کے لیے یہ بات تو جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو کسی عہدہ کے لیے پیش کرے لیکن یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ کسی ایسے عہدہ پر کسی نااہل کو قابض ہو جانے دے جس کا تعلق قوم اور ملک کے مفاد عام سے ہو۔ اجتماعی معاملات میں اسلام نے بے تعلقی کے رویہ کو پسند نہیں کیا ہے بلکہ ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ جماعت کو صحیح مشورے برابر دیتا رہے اور اس کی کسی غلطی پر خاموش نہ رہے۔ پس اگر ایک شخص ایمانداری کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ ایک عہدہ کے لئے کسی نااہل کا انتخاب ہو رہا ہے تو وہ بڑھ کر کسی اہل کے انتخاب کا مشورہ دے اور جس حد تک اس کے امکان میں ہو لوگوں کو اس غلطی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کے بعد بھی لوگ نہ مانیں تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔ وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔

تنقید کے متعلق صحیح رویہ یہ ہے کہ اگر فساد جماعتی ہو تو تنقید بھی بصیغۂ عموم ہونی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ آپ برائیوں پر تنقید کرتے تھے' اشخاص کو زیر بحث نہیں لاتے تھے۔ البتہ اگر فساد شخصی ہو تو اس صورت میں نام لے کر تنقید میں کوئی حرج نہیں ہے۔

داہنے ہاتھ کی تکلیف کے سبب سے خط بائیں ہاتھ سے لکھا ہے۔ (مولانا کے ہاتھ میں تشنج تھا اور وہ قلم بمشکل پکڑتے تھے۔ یہ تکلیف کم و بیش آخر عمر تک رہی۔--مدیر)

حکیم محمد شریف مسلم — نیو سنٹرل جیل ملتان: یکم دسمبر 1949ء

64۔ گذشتہ ہفتہ میں انوار سعید اور مسعود کے ساتھ ملنے آئی تھیں۔ اور اسی دن آپ کا ایک والا نامہ (مورخہ ۱۱ اپریل) مجھے موصول ہوا۔ آپ نے اپنے خط میں ہماری مدت قید کی توسیع پر پریشانی کا اظہار کیا ہے' لیکن انوار بالکل مطمئن تھیں۔ اس بات کو خوب یاد رکھیے کہ کوئی شخص خدا کا وفادار بندہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس کی آزمائشوں میں اپنے آپ کو مستقل مزاج اور ثابت قدم ثابت نہ کر دے۔ مجھے دعویٰ تو کسی چیز کا بھی نہیں ہے' لیکن دعا برابر کرتا رہتا ہوں کہ قیامت کے دن خدا مجھے منافقین کے ساتھ نہ اٹھائے بلکہ سچے اہل ایمان کے ساتھ اٹھائے۔ اس کے لیے کم سے کم شرط یہ ہے کہ آدمی اپنے خدا کے ساتھ چالبازی کرنے والا نہ ہو۔ مجھے خدا کے راستہ سے ہٹ کر جینے کے تصور سے بھی گھن آتی ہے۔ اس وجہ سے ہر آزمائش کے لیے تیار ہوں۔ اور میری کمزوریوں کے باوجود میرے پروردگار کا معاملہ میرے ساتھ ایسا حوصلہ بڑھانے والا ہے کہ اس کو میں ہی جانتا ہوں۔ وہ لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے جو خدا کی باتوں سے واقف نہیں ہیں۔ پس آپ لوگ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔ میں جس جگہ ہوں اپنے پروردگار سے بالکل راضی ہوں اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کا معاملہ میرے ساتھ غیر منصفانہ ہے۔ میرا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہے اور میں جس طرح دین کی خدمت کے لیے آزادی چاہتا ہوں اسی طرح اس کے راستہ میں قید و بند کو بھی پسند کرتا ہوں۔

خوش دامن صاحبہ — نیو سنٹرل جیل ملتان: 26 اپریل 1950ء

65۔ مخدومی مولانا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں آپ کی اس عنایت کے لیے دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے آخری نتیجہ تک پہنچانے میں میری مدد کے لیے وہ خط بھی بھیج دیا جو آپ نے میرے بارے میں چودھری غلام محمد صاحب کو لکھا تھا۔ میں نے یہ خط پڑھ لیا۔ اس کو پڑھنے کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے استعفیٰ دینے میں دیر لگائی۔ اگر اپنے بارہ میں آپ کے ان احساسات کا علم مجھے پہلے ہو گیا ہوتا تو میں بہت پہلے استعفیٰ دے چکا ہوتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ تاخیر بھی منجانب اللہ ہے اور انشاء اللہ موجب خیر ہو گی۔ میں اس خط پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ صرف چند باتوں کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

(1) اس خط میں آپ نے جماعت کے اندر میرا اعتبار و وقار قائم کرنے کے لیے میرے اوپر اپنے جن احسانات کا ذکر کیا ہے میں ان کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر یہ ضرور عرض کروں گا کہ اس اہتمام سے ان احسانات کے جتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے آپ کے اجر میں کمی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ایک نااہل پر اول تو یہ احسانات کرنے نہ تھے اور اگر آپ نے کر ہی ڈالے تھے تو کریم النفسی کا تقاضا یہ تھا کہ میرے کفران نعمت کے باوجود ان کو بھول جاتے۔ اور اگر آپ

ان کو بھول نہیں سکتے تھے تو کم از کم یہ توقع تو مجھ سے نہ رکھتے کہ میں ان کے بدلہ میں ضمیر فروشی کروں گا۔

(2) اس میں آپ نے مجھے جو دھمکیاں دی ہیں وہ بھی کچھ غیر ضروری سی ہیں۔ اگر آپ یہ دھمکیاں نہ بھی دیتے جب بھی میں آپ کی طرف سے اسی طرز عمل کی توقع رکھتا ہوں جس کے اختیار کرنے کی آپ نے دھمکی دی ہے۔ میں زمانہ اور اہل زمانہ سے اتنا بے خبر نہیں ہوں۔ ان دھمکیوں کے جواب میں صرف یہ گذارش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے برابر دعا کر رہا ہوں کہ وہ اس سلسلہ میں مجھے کسی ابتلاء میں نہ ڈالے۔ اور اگر ڈالے تو ایک مرد حق کی طرح اس سے عہدہ برا ہونے کی ہمت' توفیق اور قابلیت عطا فرمائے۔

(3) آپ حضرات نے میری تیز مزاجی' سخت کلامی اور "معنی آفرینی" کا شہرہ تو عجم سے لے کر عرب تک پہنچانے کی سعی فرمائی لیکن اس خط میں آپ نے میری نسبت جو الفاظ رقم فرمائے ہیں' میری نیت پر جو حملے کئے ہیں اور افراد کو بھی اور جماعت کو بھی جن جن طریقوں سے میرے خلاف برانگیختہ کیا ہے کبھی ان پر بھی ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے۔

(4) میری آمریت اگر آپ کی طرف سے میری "تابعداری" کے بل پر تھی تو گنہگار آپ ہیں نہ کہ میں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایک شخص جو شوریٰ کا رکن نہیں' جس کو ووٹ دینے تک کا مجاز نہیں' جس کو لوگوں کو شوریٰ سے کان پکڑ کر نکال دینے کا اختیار نہیں' آخر اس کو یہ مقام کس طرح حاصل ہو گیا کہ وہ شوریٰ کو اس کے فیصلے بدلوا دینے پر مجبور کر دیتا تھا۔ آخر میرے ہاتھ میں وہ کونسا ڈنڈا تھا جس کے آگے آپ سب حضرات بے بس تھے۔ میں نے شوریٰ کا جو فیصلہ اپنی آمریت کے زور سے شوریٰ سے بدلوا دیا تھا میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اور جن جن چیزوں پر آج اور اس سے پہلے میں "ہمہ تن شکایت" بنا رہا ہوں وہ سب آپ جماعت کے سامنے رکھ دیں۔ اس سے جماعت کو میری نسبت رائے قائم کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اگر آپ کو ان کے سامنے لانے میں تردد ہو تو مجھے اجازت مرحمت فرمایئے' میں ہی ان کو سامنے رکھ دوں تاکہ لوگ اندازہ کر سکیں کہ میں نے کن ہلاکتوں سے جماعت کو بچایا یا بچانے کی سعی کی مگر ناکام رہا۔

(5) میں جماعت کے متعلق یہ خیال نہیں رکھتا کہ وہ خوشامدیوں کی جماعت ہے یا آپ کے مریدوں کی جماعت ہے۔ میں جماعت کے اندرونی احساسات سے آپ سے زیادہ واقف ہوں۔ میں خوشامدی صرف انہی افراد کو سمجھتا ہوں جو فی الواقع خوشامدی ہیں اور جن کے کارنامے ان کے اس وصف کے گواہ ہیں۔ اور پیری کی گدی اس جدید نظام کو سمجھتا ہوں جس کی بساط اب آپ نے بچھائی ہے اور جماعت جس کے نتائج سے بے خبر ہے۔

(6) جو لوگ جماعت سے نکلے یا نکالے گئے ہیں میرا ان کے ساتھ تعلق ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ میں ان سے براءت کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ سب لوگ آپ کے استبداد کے شکار ہوئے ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی بھی ہے تو محض آپ حضرات کی بے تدبیریوں سے مشتعل ہو کر کی ہے۔ میرے نزدیک آپ لوگوں نے ملک سعید کے ساتھ بھی سخت زیادتی کی ہے۔ ان کی غلطی اگر کوئی ہے تو یہ کہ انہوں نے آپ کی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کی۔ میں نے اگر ان کی کسی بے جا حرکت پر پیٹھ ٹھونکی ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

(7) آپ اپنے آپ کو نہ صرف جماعت اسلامی کا قائم مقام سمجھتے ہیں بلکہ خود اسلام کا بھی قائم مقام سمجھنے لگے ہیں۔ آپ کے نزدیک اگر آپ کی کسی حرکت پر کسی کو اعتراض ہو تو وہ جماعت پر اعتراض ہے اور جب یہ جماعت پر اعتراض ہے تو اسلام پر اعتراض ہے۔ اس طرح آپ اپنا یہ ذہن بنائے بیٹھے ہیں کہ آپ کی ذات اگر کہیں زیر بحث آئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک میں اقامت دین کا سارا کام درہم برہم ہو جائے گا اور لادینی طاقتیں غالب ہو جائیں گی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ سوچنے کے اس انداز کو بدلیں۔ خدا نے اسلام کو نہ آپ کے ساتھ باندھا ہے' نہ جماعت اسلامی کے ساتھ' اور نہ کسی اور کے ساتھ۔ اگر آپ اسلام کا کام کرنے اٹھے ہیں تو خدارا اس کی یہ قیمت تو نہ مانگئے کہ اگر آپ اسلام پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگ جائیں تو بھی لوگ اس کو جاننے کے باوجود چپ رہیں' کیونکہ اس سے اقامت دین کے جہاد کو نقصان پہنچ جائے گا؟

(8) مصالحت کرانے والوں کے رویہ کا آپ نے جو شکوہ کیا ہے مجھے اس کی نسبت کچھ کہنا نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ بے وفائی کی ہے یا آپ نے ان کے ساتھ۔ میں اس قضیہ میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک انہوں نے نہایت اخلاص اور احتیاط کے ساتھ حالات کو درست کرنے کی کوشش کی اگرچہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

(9) آپ نے جن شریف انسانوں کی تذلیل کا الزام مجھ پر لگایا ہے ان میں سے نعیم صدیقی صاحب کی نسبت مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ ان کی تذلیل محض ان کے اپنے ذہن کی تخلیق کا کرشمہ ہے۔ البتہ طفیل صاحب کے اخلاص کی میں بڑی قدر کرتا رہا ہوں۔ جب کبھی میں نے محسوس کیا ہے کہ میری کسی بات سے ان کو تکلیف پہنچی ہے تو میں نے ان سے معافی مانگی ہے۔ اگر ان کا کوئی حساب میرے ذمہ باقی رہ گیا تھا تو میرا خیال ہے کہ اوپر پچھلی دو ملاقاتوں میں انہوں نے چکا لیا ہو گا۔ لیکن اگر کوئی ملال اب بھی ان کے دل میں باقی ہے تو میں اپنی ذات کو' اپنے مال کو اور اپنی آبرو کو ان کے آگے پیش کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے قصاص لے لیں اور آخرت کی مسئولیت سے مجھے بری کریں۔

اور یہ تو آپ ان کو بہرحال اطمینان دلا دیں کہ وہ مرکز چھوڑنے کا ہرگز خیال نہ کریں۔ اب میرے امیر بن جانے کا کوئی امکان بھی باقی نہیں رہا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی — لاہور: ۱۳ جنوری سنہ ۵۸ء

66۔ محترم امیر جماعت — السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مجھے جماعت کی موجودہ پالیسی، اس کے موجودہ نظام اور اس کے موجودہ دستور سے اتفاق نہیں ہے اور بدقسمتی سے آپ پر بھی آپ کے بعض اقدامات کے سبب سے مجھے اعتماد باقی نہیں رہا ہے۔ جماعت کے کچھ مخلصین جو اصلاح احوال کی کوشش کر رہے تھے اب وہ بھی اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر مجھے اپنی مایوسی کی اطلاع دے چکے ہیں۔ اس وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ اب میں جماعت کی رکنیت سے استعفیٰ دیتا ہوں۔

اس موقع پر میں یہ ظاہر کرنے میں اطمینان اور خوشی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس جماعت سے جو محبت رہی ہے انشاء اللہ بحیثیت مجموعی وہ اب بھی قائم رہے گی۔ اس جماعت کے اندر میرے بہترین احباب ہیں جن کے دینی جذبات و احساسات کی میرے دل میں بڑی قدر و عزت ہے۔

آپ سے مجھے کوئی ذاتی رنجش یا شکایت نہیں ہے اور اگر ہے تو میں اس کو صدق دل سے معاف کرتا ہوں۔ چودہ پندرہ سال کے تعلق کے دوران میں آپ کو مجھ سے بہت سی تکلیفیں پہنچی ہوں گی۔ میں ان سب کے لئے نہایت ادب سے معافی مانگتا ہوں اور اپنے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ مرکز یا جماعت کے کسی اور رفیق کے لئے میری کوئی بات وجہ شکایت بنی ہو تو میں آپ کے واسطہ سے ان سے بھی معافی کی درخواست کرتا ہوں۔

والسلام

امین احسن اصلاحی

۱۳ جنوری سنہ ۵۸ء

امیر جماعت اسلامی پاکستان

67۔ مکرمی جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کی چٹھی جو مورخہ ۱۶ جنوری موصول ہوئی اس میں کوئی نئی بات ایسی نہیں ہے جو میرے لئے قابل غور ہو۔ ان باتوں کا جواب میں بارہا دے چکا ہوں۔ تاہم مختصراً پھر عرض کئے دیتا ہوں۔

(1) میں مجلس شوریٰ کے وجود سے واقف ہوں۔ اس بات سے بھی مجھے انکار نہیں کہ وہ جماعت کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہے۔ میں اپنی نسبت یہ گمان بھی رکھتا ہوں کہ میں دلیل سے بات کر سکتا ہوں لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر میں نے دلیل کے ساتھ بات کی اور کچھ لوگ میری بات کے قائل ہو گئے تو آپ سازش، جتھہ بندی، بلاک سازی اور شوریٰ کے اندر حزب اختلاف کی تخلیق کے الزامات دھر کے مجھے شوریٰ سے نکال باہر نہیں کریں گے۔ میں اس کی ضمانت تو دے سکتا ہوں کہ میں دلیل سے بات کروں گا لیکن اس کی ضمانت کس طرح دے سکتا ہوں کہ میری دلیل آپ کی دلیل کے خلاف نہیں جائے گی یا وہ دلیل آپ کے نقطہ نظر سے کسی مختلف نقطہ نظر کا ارکان شوریٰ کو قائل نہ کر سکے گی۔ میں ارکان شوریٰ کے خلاف یہ بدگمانی نہیں رکھتا کہ وہ میرے خلاف کسی تعصب میں مبتلا ہیں۔ لیکن آپ نے ان کے لئے آزادانہ غور کرنے کی کوئی راہ کھلی کب چھوڑی ہے؟ وہ ایک ایسے شخص کی بات کس طرح سنیں گے جس کی قائم کی ہوئی "حزب اختلاف" کی سرکوبی سے آپ ابھی اچھی طرح فارغ بھی نہیں ہوئے۔ فرض کیجئے کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق یہ قسم بھی کھالوں کہ ماضی کی حزب اختلاف سے میرا کوئی رشتہ نہیں تھا اور یہ عہد بھی کر لوں کہ آئندہ میں کبھی بلاک سازی نہیں کروں گا تو اس سے آپ کو یا شوریٰ کو اطمینان کس طرح ہو گا کہ اب میرے اندر سے بلاک سازی اور لیڈری کے جراثیم نکل چکے ہیں اور اب میرے اردگرد جمع ہو جانے یا میری کسی رائے کو قبول کر لینے میں شوریٰ کے ارکان کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان خطرات کے ہوتے ہوئے کسی کی شامت آئی ہے کہ میرے "بلاک" میں شامل ہو کر اپنا حشر وہ کرائے جو جائزہ کمیٹی کے ارکان اور دوسرے بہت سے لوگوں کا ہوا۔

(2) جائزہ کمیٹی کے ارکان سے معافی مانگنے کے بارے میں آپ جو کچھ کہتے ہیں معاف کیجئے گا اس سے آپ نے اپنے آپ کو ایک سخت ناگوار پوزیشن میں ڈال دیا ہے۔ آپ کا موقف اگر یہ ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مبنی بر انصاف اور مبنی بر دستور ہے تو پھر آپ معافی کس بات کی مانگتے ہیں۔ ایک جج ایک شخص کو قانون اور عدل کے تقاضوں کے مطابق سزا دیتا ہے تو اس سے مجرم اور اس کے ورثاء کو تکلیف تو ہو گی ہی مگر وہ معافی کیوں مانگے؟ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ سے اس معاملہ میں غلطی ہوئی ہے تو پھر صاف صاف کہیے کہ بھائیو، معاف کرو، مجھ سے اس معاملہ میں سخت غلطی ہو گئی۔ ان دو واضح روشوں میں سے کسی ایک روش کو صاف صاف اختیار کرنے کی بجائے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس معاملہ میں آپ نے ایک تیسری روش اختیار کر رکھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ بڑے طنطنہ کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ

کیا وہ دستور اور عدل کے عین مطابق ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان سے معافی مانگ چکا ہوں اور ہزار بار معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں۔

میرے نزدیک آپ نے یہ روش اس وجہ سے اختیار کی ہے کہ آپ اس بات کے لئے تو تیار نہیں ہیں کہ اپنی غلطی کا اقرار کریں کیونکہ اس سے شان امارت مجروح ہوتی ہے' لیکن دوسری طرف آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کے سوا ہر انصاف پسند آپ کے اس اقدام کو ناجائز ٹھہرا رہا ہے۔ اپنی شان امارت کی سرفرازی کے لئے تو آپ یہ فرما دیتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کیا عدل' مصلحت اور دستور کا تقاضا وہی تھا' لیکن جب خیال آتا ہے اس بات کا کہ دنیا میں سب اندھے بہرے ہی نہیں ہیں تو ان کی گرفت سے بچنے کیلئے معافی اور اس اقدام کی واپسی کا بھی حوالہ دے دیتے ہیں۔ اخلاقی جراءت کی کمی آدمی کو بسا اوقات اس طرح کے ناگوار پوزیشن میں ڈال دیتی ہے۔

آپ کہیں گے کہ میں نے آپ کی ایک بات میں سے برے معنی نکال لئے ہیں لیکن میں کروں کیا؟ یہ بات ہی ایسی ہے کہ اس کے اندر سے کوئی اچھے معنی نکالے ہی نہیں جا سکتے۔

اپنے اس اقدام کو جائز ثابت کرنے کے لیے آپ نے دھڑا بندی' بلاک سازی اور سازش وغیرہ کا جو افسانہ اپنے اس مکتوب میں پیش کیا ہے میں کہتا ہوں کہ آپ کے ذہن کے سوا اس کا کہیں وجود نہیں تھا۔ آپ کے ذہن پر شروع سے میری طرف سے جو ایک خطرہ مسلط ہے اس کے سبب سے آپ کو اکثر ڈراؤنے خواب نظر آتے رہے تھے۔ اسی طرح کا ایک ڈراؤنا خواب آپ نے دسمبر ۵۶ء میں دیکھا اور پھر اس کے تحت آپ نے یہ کارنامہ انجام دے ڈالا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ ابھی آپ امیر جماعت اسلامی ہی تھے۔ کہیں خدانخواستہ امیر المومنین بن چکے ہوتے تو خدا ہی جانے کہ اس حالت میں آپ حزب اختلاف اور اس کے لیڈر کی کیا گت بناتے؟

آپ اس کارنامہ کی مصلحتیں مجھے سمجھانے کی بجائے بہتر ہے کہ اب معاملہ کو مستقبل کے مورخ کے حوالہ کیجئے۔ اس کے سامنے ہم سے زیادہ واضح نتائج ہوں گے اور وہ زیادہ بہتر طریقہ پر فیصلہ کر سکے گا کہ آپ نے جو کچھ کیا اس سے کیا برکتیں ظہور میں آئیں۔ مجھے اپنی سیاسی بصیرت پر اتنا اعتماد نہیں ہے کہ کوئی بات آپ کی طرح دعوے کے ساتھ کہہ سکوں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ آپ کے سوا شاید ہی کوئی ایسا بدقسمت لیڈر ہو جس نے ایک معمولی Crisis سے عہدہ برا ہونے میں وہ بے بصیرتی دکھائی ہو جو آپ نے دکھائی۔ آپ نے میری لیڈری کے موہوم خطرہ سے لڑنے میں برسوں کے اس کئے کرائے پر پانی پھیر دیا جس میں آپ کی طرح دوسروں کی محنتوں کا بھی بہت کچھ حصہ تھا۔

آپ نے اس اقدام کی دستوری حیثیت کا فیصلہ کرانے کے لئے اپنی جس پیش کش کا حوالہ دیا ہے

اس کا ذکر ظفر احمد انصاری صاحب نے مجھ سے کیا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ تصفیہ صرف اس بات کا نہیں ہونا چاہیے کہ امیر کو شوریٰ کے ارکان کو اس طرح کا نوٹس دینے کا حق ہے یا نہیں' بلکہ ان الزامات کا بھی ہونا چاہیے جو جائزہ کمیٹی کے شریف ارکان پر لگائے گئے ہیں۔ مگر معلوم ہوا کہ آپ اس چیز کو کسی عدالت کے سامنے لانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

پھر ماہرین دستور سے فیصلہ حاصل کرنے کا طریقہ بھی آپ نے خود معین فرما دیا تھا۔ وہ یہ کہ آپ نے اپنے زعم کے مطابق ایک استفتیٰ مرتب کر دیا تھا اور اس پر کسی ماہر دستور کا فتویٰ حاصل کرنا چاہا تھا۔ یہ شکل نہیں تھی کہ کسی ماہر دستور کی عدالت میں جماعت کا پورا دستور پیش ہوتا' اس کے سامنے فریقین کے نقطہ ہائے نظر رکھے جاتے اور پھر وہ اپنا فیصلہ دیتا۔ ایسی احمقانہ شکل کو کون مان سکتا ہے؟ فتویٰ تو صورت مسئلہ کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے۔ اگر آپ مسئلہ کی شکل اپنے رنگ میں رکھ دیتے تو اپنے منشاء کے مطابق جواب حاصل کر لیتے' دوسرا دوسری شکل پیش کر کے اپنے مطلب کے مطابق جواب حاصل کر لیتا۔ چنانچہ آپ نے جو استفتیٰ مرتب کیا تھا وہ میں نے دیکھا تھا اور مجھے آپ کی اس کوشش پر سخت حیرانی ہوئی تھی جو آپ نے اس میں کتمان حقیقت کے لئے فرمائی تھی۔

جائزہ کمیٹی کے ارکان پر آپ نے جو الزامات لگائے تھے اب تک آپ ان کے بارے میں اپنے سوا کسی اور سے فیصلہ کرانے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ پچھلے دنوں چار آدمیوں کی ایک پنچایت پر راضی ہو چکنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اس پنچایت سے آپ مکر گئے بلکہ آپ اور آپ کے اہل مرکز اب ان غریبوں کو صلواتیں بھی سنانے لگے ہیں حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ آپ کے معتقدین میں ہو سکتے ہیں۔ عمر بہاالدین امیری سابق سفیر شام نے مجھ سے خواہش کی کہ میں سارے معاملات میں ان کی تحکیم پر راضی ہو جاؤں۔ میں راضی ہو گیا۔ میرے راضی ہو جانے کے بعد ان کو حکم ماننے سے گریز کرنا اور محض باہمی مصالحت کی اپیل پر اکتفا کر کے چلے جانا آخر کس کے گریز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

اب آپ کے اس گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس معاملہ کا تصفیہ "بند کمروں" میں کرانے کی بجائے کھلے میدان میں کرنا چاہتے ہیں اور اس کی شکل آپ یہ تجویز فرماتے ہیں کہ میں (امین احسن اصلاحی) اس بنیاد پر کہ آپ نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے ساتھ ناانصافی کی ہے شوریٰ کے سامنے عدم اعتماد کی ایک قرارداد لاؤں۔ اگر قرارداد پاس ہو جائے تو میں جیتا آپ ہارے' اور اگر رد ہو جائے تو میں ہارا اور آپ جیتے۔ اتنے دنوں کے گریز و فرار کے بعد اب آپ کی یہ مبارزت طلبی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ آپ کا یہ طریقہ بھی اپنے اندر بہت

سی کمزوریاں چھپائے ہوئے ہے' اور جو اسباب و وجوہ اس کے محرک ہوئے ہیں ان میں سے بعض کی طرف مجھے اشارہ کرنے کی اجازت دیجئے۔

(i) اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جب جائزہ کمیٹی کے ارکان کے ساتھ انصاف کا مطالبہ آپ کے اوپر عدم اعتماد کے ساتھ اٹھے گا تو آپ کو معلوم ہے کہ کم از کم موجودہ شوریٰ میں تو ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو عبد الرحیم اشرف اور عبد الغفار حسن وغیرہ کی خاطر آپ کو قربان کرنے پر تیار ہو۔ ان میں سے جن کو انصاف عزیز ہو گا وہ بھی اتنے انصاف پسند نہیں ہو سکتے کہ چند فردوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے خود اپنی زندگی خطرہ میں ڈال دیں اور جماعت کے لئے ایک پریشانی پیدا کر دیں۔

(ii) دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ موجودہ شوریٰ تقریباً ان تمام عناصر سے پاک ہو چکی ہے جن کو جائزہ کمیٹی کے ارکان سے اور وہ بھی ان کے جماعت سے نکل جانے کے بعد کوئی ہمدردی ہو سکتی ہے۔

(iii) تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ موجودہ شوریٰ کو شروع ہی سے ایسی تربیت دے رہے ہیں کہ وہ آپ کی آنکھوں سے دیکھے اور آپ کے کانوں سے سنے۔ جو لوگ اس سے مختلف مزاج رکھتے ہیں ان کا مستقبل نہ صرف اس شوریٰ میں بلکہ سرے سے جماعت ہی کے اندر میں نہایت تاریک دیکھتا ہوں۔

(iv) چوتھی وجہ یہ ہے کہ جو معاملہ عدالتی نوعیت کا ہے' جس میں ٹھنڈے ماحول کی ضرورت ہے' جس میں گواہوں اور بیانات کی ضرورت ہو گی' اس کو آپ عدم اعتماد کی تحریک کے ساتھ چپکا کر اور پچاس آدمیوں کی ایک بھیڑ کے سامنے رکھ کر نہ صرف خراب کرنا چاہتے ہیں بلکہ مجھے بھی ذلیل کرانا چاہتے ہیں۔

معاف کیجئے گا یہ وجوہ ہیں جو آپ کو جرات دلا رہے ہیں کہ آپ مجھے شوریٰ میں اپنے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔

(3) آپ نے اپنی بلی کی تاریخ پیدائش ناحق بیان کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ یہ بلی آپ کے تھیلے میں روز اول سے موجود ہے۔ لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ تقسیم سے پہلے الہ آباد کی شوریٰ کے اجلاس میں میں نے اس کا گلا دبانے کی کوشش کی۔ یاد نہ ہو تو مذکورہ شوریٰ کی روداد پڑھ لیجئے۔ اس وقت تو یہ مر نہ سکی لیکن میں اور جماعت کے دوسرے اہل نظر برابر اس کی فکر میں رہے اور شوریٰ میں اس کی موت و حیات کا مسئلہ بار بار چھڑتا رہا۔ یہاں تک کہ تقسیم کے بعد ہم نے جو دستور بنایا اس میں اس کی موت کا آخری فیصلہ ہو گیا۔ واضح رہے

کہ جب اس کے قتل کا فیصلہ ہوا تھا تو اس وقت شرع شریف' مصلحت زمانہ اور اسلامی جمہوریت سب کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہوا تھا۔ اس کی تائید میں علماء کے فیصلے بھی حاصل کئے گئے تھے اور اہل نظر کی رائیں بھی جمع کی گئی تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ اپنے عمل سے وقتاً فوقتاً اس کو زندہ بھی کرتے رہے لیکن ہمارے دستور نے اس کی زندگی تسلیم نہیں کی۔ اس سلسلہ میں جب بھی آپ نے دستور کی مخالفت کی تو عموماً اپنے اقدامات میں بے بصیرتی کا ثبوت دیا جس سے جماعت کے اہل الرائے اس بارے میں یکسو ہو گئے کہ یہ بلی مردہ ہی رہے تو اچھا ہے۔ لیکن آپ پر اس کی موت بڑی شاق تھی۔ آپ اس کو حیات تازہ بخشنے کے لئے برابر بے چین رہے' اسی کے عشق میں آپ نے استعفیٰ دیا۔ ماچھی گوٹھ میں آپ نے اس کے لئے رازداروں کو خلوت میں بلا کر سازش کی۔ پھر کوٹ شیر سنگھ میں اس پر مسیحائی کا آخری افسوں پڑھا اور یہ واقعی زندہ ہو گئی۔ اب آپ مجھے دعوت دیتے ہیں کہ میں پھر شوریٰ میں آؤں اور اس کے اندر رہ کر اس کو مارنے کی کوشش کروں تو میں اس سے معافی چاہتا ہوں۔ ایک بلی برسوں کی محنت سے میں نے ماری' آپ نے وہ پھر زندہ کر دی اور اب آپ کی مجلس عاملہ نے اس کی رضاعت و پرورش کی ذمہ داری اٹھالی۔ اب میں پھر اس کے مارنے میں لگوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ساری زندگی اس گربہ کشی ہی کی نذر کر دوں۔ آخر یہ کون سا شریفانہ پیشہ ہے۔

میرے نزدیک جماعت اسلامی کے امیر کو شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہونا چاہیے' اگرچہ وہ تقویٰ اور تدین کے کتنے ہی اونچے مقام پر ہو۔ اس کو جو آزادی دی جائے وہ ہرگز غیر محدود نہیں ہونی چاہیے۔ میں اس چیز کو اسلام اور جمہوریت دونوں ہی کا مشترک تقاضا سمجھتا ہوں۔ آپ اگر زمانہ جنگ کے چرچل کے اسوہ کی پیروی زمانہ امن میں کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کیجئے۔ میں اس آمریت کو اسلامی نظام جماعت کے نام سے پیش کر کے اسلام کو رسوا کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

آپ نے مجھ پر بلاک سازی' جتھہ سازی' حزب اختلاف کی لیڈری' بلیک میلنگ' مخالفین امیر کی حوصلہ افزائی اور جماعت کی بدخواہی وغیرہ کے جو الزامات لگائے ہیں' میں ان کے لئے کوئی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ حالات کی اصلاح کے سلسلہ میں میرا جو رول رہا ہے اس کو میں جانتا ہوں' میرا رب جانتا ہے اور جماعت کے مخلصین جانتے ہیں۔ آپ اگر مجھے ان الزامات کا مستحق خیال فرماتے ہیں تو میں اس امیر کی طرف سے ان کا خیر مقدم کرتا ہوں جس کو تقویٰ اور تدین کی بناء پر انتخاب کرنے میں میں نے بھی حصہ لیا ہے اور جو ابھی کل تک خدا کو گواہ بنا بنا کر علی رؤوس الاشہاد بھی اور نجی ملاقاتوں میں بھی مجھ پر اپنے کامل اعتماد کا اظہار کرتا رہا ہے۔

اس باب میں میری طرف سے یہ آخری تحریر ہے۔ میں آپ سے بھی ملتجی ہوں کہ اس بارے میں

اب مجھے کچھ نہ لکھیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی رفاقت سے محروم ہو کر میں کیا کچھ کھو رہا ہوں لیکن آپ کو بھی یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر آپ نے مجھ جیسے خیرخواہ مخلص کے مشوروں کی قدر نہیں کی ہے تو آپ کو "برے مشیروں" کے مشورے ماننے پڑیں گے۔ میں دل سے متمنی تھا کہ مجھے آپ کی رفاقت حاصل رہے لیکن آپ نے اپنے دونوں خطوں میں اس کی جو قیمت مانگی ہے میں وہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے آپ کو جماعت اسلامی کے امیر کی حیثیت سے لکھا ہے۔ اس حیثیت سے الگ آپ میرے بڑے بھائی ہیں اور میں انشاء اللہ آپ کی برابر عزت کرتا رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اپنی شفقتوں سے محروم نہیں فرمائیں گے۔

لاہور: ۱۸ جنوری ۵۸ء

68۔ جس مضمون کا خط آپ نے مجھے لکھا ہے کم و بیش اس مضمون کے سیکڑوں خطوط میرے جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہونے کے بعد سے جماعت اسلامی کے ارکان اور دوسرے مسلمانوں کی طرف سے مجھے برابر موصول ہو رہے ہیں۔ میرے نام اس قسم کے خطوط کا سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب سے میں نے جماعت کی مجلس عاملہ سے استعفیٰ دیا ہے۔ اس وقت تو میں کسی خط کا جواب اس وجہ سے نہ دے سکا کہ میں جماعت کے نظم کے تحت ایسا کرنے کا مجاز نہ تھا۔ جماعت کے نظم کا حال یہ ہے کہ اگر ایک رکن شوریٰ کسی دوسرے غیر حاضر رکن شوریٰ کو اس امر کی بھی اطلاع دے دے کہ اس کی عدم موجودگی میں شوریٰ نے فلاں تجویز پاس کی ہے تو امیر جماعت کے نزدیک یہ چیز بھی اس نجویٰ کی تعریف میں آتی ہے جو از روئے دستور جماعت کے ساتھ بے وفائی ہے۔ جماعت کی رکنیت کی قید سے آزاد ہو جانے کے بعد اس چیز پر پابندی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی ان سارے لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کرنا میرے لئے ناممکن ہے جو میرے استعفیٰ کے سبب سے مضطرب ہیں یا جو میرے موقف کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اتنے بے شمار آدمیوں کے خطوط کا جواب فرداً فرداً دینا میرے بس سے باہر ہے۔ اور اگر میں پریس کو اس کا ذریعہ بناؤں تو یہ کہا جاتا ہے کہ میں اقامت دین کی ایک تحریک کو بدنام کر رہا ہوں اور لادینی تحریکوں کو تقویت پہنچانے کا ذریعہ بن رہا ہوں۔

دراصل صحیح صورت تو یہ تھی کہ امیر جماعت میری وہ چٹھیاں جماعت کے سامنے رکھ دیتے جو میں نے جائزہ کمیٹی کے ارکان سے استعفیٰ طلبی کے بعد سے لے کر خود اپنے استعفیٰ کے واقعہ تک امیر جماعت کی چٹھیوں کے جواب میں لکھی ہیں' لیکن میرے اوپر برابر یہ ظلم کیا جا رہا ہے کہ میرے موقف کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کی غلط فہمیاں تو بھری جا رہی ہیں جس کے سبب سے لوگ مجھ

سے سوالات پوچھ پوچھ کر میرا قافیہ تنگ کر رہے ہیں لیکن امیر جماعت یہ زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ اپنے خطوط اور میرے جوابات لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ حضرات اپنے شبہات و شکوک کے بارے میں فرداً فرداً مجھ سے جواب مانگنے کی بجائے خود امیر جماعت سے یہ مطالبہ کیجئے کہ وہ اس سلسلے میں تمام مراسلت آپ لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ اس کے مطالعہ سے وہ بہت سی الجھنیں رفع ہو جائیں گی جن کو دور کرنے کے آپ متمنی ہیں۔

میرے لئے ان سارے واقعات کا بیان کرنا سخت مشکل ہے جو بالآخر میرے استعفیٰ پر منتج ہوئے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا کسی خط میں بیان کرنا نہ تو ممکن ہے نہ مناسب۔ میں نے سولہ سال اس جماعت کی خدمت کی ہے اور الحمد للہ اب بھی میں اپنے دل میں اسلام کی سربلندی کے سوا کوئی ارمان نہیں رکھتا۔ میرے جسمانی قویٰ ممکن ہے کچھ ضعیف ہو چکے ہوں لیکن میرا عزم اسلام کی راہ پر چلنے میں اب بھی کوئی ضعف محسوس نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں میرا اس جماعت سے قطع تعلق ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ محض سرسری اسباب سے نہیں ہو سکتا۔ ان اسباب کو جو لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ مجھ سے ملاقات کی زحمت گوارا فرمائیں۔ خط میں صرف موٹی موٹی باتیں ہی لکھی جا سکتی ہیں۔

(1) اس جماعت کی تاریخ میں یہ تو میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ امیر جماعت 'اسلامی نظام کی بنیادی خصوصیت شورائیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن جس واقعہ نے میرے اعتماد کو بالکل ہی متزلزل کر دیا ہے وہ امیر جماعت کا وہ اقدام ہے جو جائزہ کمیٹی کے ارکان اور شوریٰ کی متفقہ قرارداد کے خلاف انہوں نے دسمبر سنہ 56ء میں کیا۔ میرے نزدیک امیر جماعت کا یہ اقدام عدل کے بھی خلاف تھا جس کی اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت ہے' اور اس شورائیت کی بھی اس سے نفی ہو رہی تھی جو اسلام کے نظم اجتماعی کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہے۔ میں نے امیر جماعت کی اس صریح ناانصافی اور کھلی ہوئی غلطی پر پہلے نہایت دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ ان کو ایک مفصل خط لکھ کر ان پر ان کے اس اقدام کی غلطیاں واضح کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں ان کے اس اقدام کو تقویت پہنچانے کے لئے خود مرکز کے زیر اہتمام جائزہ کمیٹی اور شوریٰ کے بعض دوسرے ارکان کے خلاف لاہور اور بعض دوسرے شہروں میں بہتان طرازیوں کی مہم چلائی گئی۔ میں نے اس کو روکنے کی طرف بھی امیر جماعت کو متوجہ کیا۔ میرے نزدیک اس قسم کی حرکت جماعت کی ساری اخلاقی ساکھ کا دیوالیہ نکال دینے والی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ میں ان دونوں غلطیوں میں سے کسی غلطی کی اصلاح کرانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ جہاں تک میرے خط کا تعلق ہے اس کا کوئی جواب مجھے نہیں دیا گیا۔ اس کے جواب میں نہایت عجیب و غریب انداز میں امیر جماعت کا استعفیٰ سامنے آیا جس سے آپ حضرات واقف ہیں۔ رہی بہتان طرازیوں کی مہم تو وہ بھی بدستور چلتی رہی۔ اس کے روکنے کے لئے کوئی موثر کارروائی نہیں کی گئی۔

(2) امیر جماعت کے استعفیٰ کے متعلق جماعت کی مجلس مشاورت نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس کو راز میں رکھا جائے اور شوریٰ کا ہنگامی اجلاس بلا کر صرف اس کے سامنے اس کو پیش کیا جائے۔ لیکن مرکزی اسٹاف نے مجلس مشاورت کے فیصلہ کے خلاف اس کو بڑی دھوم دھام سے اخبارات میں شائع کرایا تاکہ جماعت کو ہراساں اور مجھ کو مرعوب کیا جائے۔ جگہ جگہ لوگوں کو یہ تاثر بھی دیا گیا کہ درحقیقت میری کوئی گستاخی ہے جو جماعت کے لئے اس حادثہ کا سبب بنی ہے۔ اس کے بعد شوریٰ منعقد ہوئی اور اس نے جن الفاظ میں امیر جماعت پر اظہار اعتماد کیا اس میں بھی یہ رنگ موجود تھا کہ:

(کوئی شخص ہے جو امیر جماعت کے مقابل میں امارت کا متوقع تھا جس کی آرزوؤں کو ناکام بنانے کے لیے یہ اظہار اعتماد بھی ضروری تھا۔ اور اس اعتماد کے حاصل کرنے کے لئے امیر جماعت کا مستعفی ہونا بھی ضروری تھا)۔

(3) شوریٰ کا یہ اجلاس ایک ہنگامی اجلاس تھا۔ یہ شوریٰ صرف امیر جماعت کے استعفیٰ سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرنے کے لئے فوری طور پر بلائی گئی تھی۔ اس کے لئے کوئی ایجنڈا نہ تھا۔ اس کے بعض ارکان کے ساتھ یہ معاملہ بھی پیش آیا کہ ادھر مرکز سے ان کو شوریٰ کی شرکت کے دعوت نامے ملے لیکن جب وہ گھروں سے روانہ ہونے لگے تو ادھر حلقہ سے ان کو یہ اطلاع ملی کہ وہ جماعت کی رکنیت سے معطل کرا دیئے گئے۔ یہ شوریٰ جماعت کی پالیسی وغیرہ کے مسائل پر کوئی فیصلہ دینے کی مجاز نہ تھی لیکن اس نے صرف امیر جماعت پر اظہار اعتماد ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امیر جماعت کو خوش کرنے کے لئے اس نے پالیسی کے معاملہ میں بھی مداخلت کی۔ مجھے اس شوریٰ میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اس وجہ سے میرے لئے ممکن نہ تھا کہ میں اس کے اندر جا کر اس کی خلاف دستور کارروائیوں پر ٹوک سکتا۔ لیکن میں نے اس کے دوران انعقاد ہی میں اس کے سامنے جماعت کی رکنیت سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ کیونکہ میں امیر جماعت پر اس کے غیر مشروط اظہار اعتماد کو ان تمام اقدامات کی تعریف کے ہم معنی سمجھتا تھا جو امیر جماعت نے جائزہ کمیٹی کے ارکان اور شوریٰ کے متفقہ فیصلے کے خلاف کئے تھے۔ میرے استعفیٰ کے بعد چودھری غلام محمد صاحب (جو قائم مقام امیر جماعت بنائے گئے تھے) محمد باقر خاں صاحب کے ساتھ مجھ سے ملے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ امیر جماعت پر اظہار اعتماد ہرگز ان کے ان اقدامات کی توثیق کے ہم معنی نہیں ہے جو انہوں نے شوریٰ کے فیصلہ اور جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف کئے ہیں۔ انہوں نے صاف الفاظ میں یہ بھی کہا کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف امیر جماعت نے جو اقدام کیا ہے وہ اس کو نہ صرف واپس لیں گے بلکہ ان سے معافی بھی مانگیں گے۔ انہوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ قائم ہے۔ دسمبر کی شوریٰ کی قرارداد بھی قائم ہے۔ البتہ اجتماع عام کے انعقاد تک لوگوں کو پالیسی کے معاملہ میں کوئی بحث و نزاع برپا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ باتیں اس قدر گہرے تاثر اور اس قدر

وثوق و اعتماد سے کہیں کہ مجھے اپنا استعفیٰ واپس لے لینا پڑا۔

(4) ان وعدوں میں سے یہ حضرات کسی ایک وعدہ میں بھی سچے ثابت نہیں ہوئے۔ پالیسی کے معاملہ میں ساری جماعت کو تو کوئی گفتگو کرنے سے روک دیا گیا لیکن خود امیر جماعت پوری دھوم دھام کے ساتھ ترجمان اور تسنیم میں پالیسی سے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش کرتے رہے تاکہ اجتماع عام کے انعقاد سے پہلے لوگوں کے ذہن ان کی ہمنوائی کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے شوریٰ کی وہ کارروائیاں بھی شائع کی گئیں جن کی اشاعت شوریٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں تھی۔ اور بعض اشخاص کے خلاف غلط تاثر دینے کے لئے ان کی دوران بحث کی نجی باتوں کی تشہیر کی گئی۔ اس دوران میں امیر جماعت نے ترجمان میں یہ اصول بھی پیش فرمایا کہ

"نظریاتی حکمت اور ہوتی ہے اور عملی حکمت اور ہوتی ہے"

جو لوگ ان کے قول و عمل کے تضاد پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس رمز کو نہیں جانتے کہ نظریہ جب عمل کا جامہ پہنتا ہے تو اس کی شکل کیا بنتی ہے۔ اس فلسفہ کو مدلل کرنے کے لئے ایک مثال بھی پیش کی گئی کہ دیکھو نبی ﷺ زندگی بھر مساوات کا درس دیتے رہے لیکن وفات کے وقت الائمہ من قریش کہہ کر خلافت اپنے خاندان والوں کے سپرد کر گئے۔ میں نے اس غلط طریقہ کار اور اس مہمل فلسفہ کے خلاف احتجاج کیا لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

جائزہ کمیٹی کے ارکان کے بارے میں امیر جماعت برابر اپنے موقف پر جمے رہے اور اب تک اسی پر جمے ہوئے ہیں کہ ان کا یہ اقدام دستور اور عدل کے عین مطابق ہے اور انہوں نے جو الزامات ان لوگوں پر لگائے ہیں وہ بھی درست ہیں۔ البتہ ان کے اس اقدام سے ان حضرات کو جو تکلیف پہنچی ہے اس کی وہ معافی مانگتے ہیں۔

ایک مرتبہ یہ تجویز بھی سامنے آئی کہ اس معاملہ میں کسی ماہر دستور کا فیصلہ حاصل کیا جائے۔ لیکن اس کے سامنے بھی امیر جماعت' جماعت کا پورا دستور رکھنے پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ اپنا مرتب کیا ہوا ایک استفتیٰ اس کے سامنے رکھ کر اس کا فتویٰ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں امیر جماعت اپنے لگائے ہوئے الزامات کے بارے میں اپنے سوا کسی سے بھی فیصلہ کرانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ میں نے اس صورت حال کو اسلامی عدل و انصاف کے بالکل خلاف پایا جس کے قائم کرنے اور قائم کرانے ہی کے لئے جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تھا۔

میں نے اس دوران امیر جماعت سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ ماچھی گوٹھ کے اجتماع عام میں دسمبر والی شوریٰ کی متفقہ قرارداد استصواب کے لئے پیش کریں۔ اگر اجتماع عام اس کو رد کر دے گا تو میں اس کا رد ہونا تسلیم کر لوں گا۔ اور اگر وہ اس قرارداد کو استصواب کے لئے پیش کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو پھر کم از

کا ایک حصہ ہے۔

یہی نوعیت ان خطوط کی ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے متعلق ہیں اور بے حد تلخ ہیں۔ اس تلخی کے کچھ اسباب ہیں۔ 1966ء میں ڈاکٹر صاحب لاہور منتقل ہوئے تو جماعت اسلامی میں رفاقت کی بناء پر مولانا نے ان پر بے پناہ اعتماد کرکے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ انھیں رسالہ میثاق کی ادارت سونپی اور بعد میں اپنی تفسیر تدبر قرآن اور دوسری کتب کا ناشر بھی انہی کو مقرر کیا۔ رسالہ کے سرورق پر "زیر سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی" کے الفاظ چھپتے۔ اختلاف کا آغاز اس وقت ہوا جب رسالہ کے مضامین میں ایسے افکار پیش کیے گئے جن پر مولانا ہمیشہ تنقید کرتے رہے تھے۔ قارئین ان کی وضاحت مولانا سے طلب کرتے۔ اس پر مولانا نے ڈاکٹر صاحب کو زیر سرپرستی کے الفاظ ہٹا دینے کی ہدایت کی تاکہ چھپنے والے مضامین کی ذمہ داری ان پر نہ آئے۔ 1972ء میں ڈاکٹر صاحب نے ایک تنظیم انجمن خدام القرآن کے نام سے قائم کی۔ مولانا نے اس کی ہیئت ترکیبی اور اس کے دستور کی بعض شقوں کو اسلامی نظام اجتماعیت کے منافی قرار دیا لیکن ڈاکٹر صاحب ان کو تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ پھر میثاق میں بعض ایسی تحریریں چھپنے لگیں جن میں ادعاء کا رنگ بہت نمایاں ہوتا۔ مولانا نے اپنے بارے میں شائع ہونے والی بعض چیزوں کو بھی خلاف حقیقت قرار دیا۔ چنانچہ انھوں نے 1974ء میں میثاق میں تفسیر کی اشاعت روک کر اپنے قطع تعلق کا اظہار کیا اور کتابوں کی اشاعت کا متبادل انتظام کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ اس مرحلہ میں مولانا کے احباب نے اصلاح احوال کی کوششیں کیں لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس مجموعہ میں شامل خطوط تعلقات کی کشیدگی کے آخری دور سے متعلق ہیں اور ان کی تلخ نوائی کا سبب اس تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔

اس مجموعہ مکاتیب سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا اپنی زندگی کا ایک معین مقصد رکھتے تھے۔ اس کے لیے وہ برابر تگ و دو کرتے رہے۔ اس راہ میں مشکلات پیش آئیں تو انھوں نے ایک صاحب عزیمت شخص کی طرح ان کا مقابلہ کیا اور اس میں کسی مصلحت کو سد راہ نہیں بننے دیا۔ انھیں اپنے دینی منصب کے تقاضوں کا ہمیشہ خیال رہا اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں وہ کسی مداہنت سے کام لینا گوارا نہیں کرتے تھے' خواہ اس کے لیے برس ہا برس کی رفاقت کو قربان کر دینا پڑے۔

آدمی کے خطوط اس کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس حوالہ سے یہ مرقع ان شاء اللہ مستقبل کے اس مورخ کے کام آئے گا جو مولانا کی ذات اور شخصیت کو موضوع بحث بنائے گا۔ امید ہے تدبر کے قارئین اس مجموعہ مکاتیب کو مفید پائیں گے۔

مکاتیب اصلاحی

امین احسن اصلاحی

تفسیر تدبر قرآن

1۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ میری خواہش ہے کہ آپ میری کتاب پر جو رائے بھی قائم کریں اپنی صوابدید پر قائم کریں۔ (کتاب سے اشارہ تفسیر تدبر قرآن کی طرف ہے جو اس وقت ماہنامہ میثاق میں شائع ہو رہی تھی۔ مدیر) اس سے مجھے اطمینان ہو گا۔ اگر دوسروں کی رائے کی روشنی میں آپ جیسے صاحب علم و فہم نے کوئی رائے بنائی تو اس سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہو گی۔ آپ ان لوگوں کو زیادہ اہمیت نہ دیں جن کا طرز فکر تقلیدی ہے۔ ایسے لوگوں کی رایوں کا مجھے مطلق انتظار نہیں ہے۔ مجھے صرف ان لوگوں سے بحث ہے جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ میں نے یہ چیز انہی لوگوں کے لیے لکھی ہے اور میں جو کچھ بھی لکھتا ہوں ایسے ہی لوگوں کے لئے لکھتا ہوں۔

رائلٹی کے متعلق اب تک کوئی گفتگو نہیں ہوئی ہے۔ ویسے میں نے اس سے پہلے اپنی بعض کتابوں کی رائلٹی وصول کی ہے اور وہ کتابیں دینی و اسلامی ہیں۔ میرے خیال میں اس کے عدم جواز تو در کنار اس کی کراہت کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مجھے کسی ایسے قابل ذکر آدمی کا علم نہیں ہے جس نے اس کو خلاف شرع قرار دیا ہو۔ یوں میری خواہش یہ ہے کہ اگر میرے پاس وسائل و ذرائع موجود ہوتے تو میں اس کو خود اپنے اہتمام میں چھپواتا اور خریداروں کو معمولی منافع پر دیتا۔

ڈاکٹر اسرار صاحب چند دن ہوتے ہیں آئے تھے۔ ابھی انھوں نے آخری فیصلہ نہیں کیا ہے۔ واقف کاروں سے لاگت کا اندازہ کرا رہے ہیں۔ ان کا اندازہ ہے کہ دس ہزار روپے خرچ ہوں گے۔ اور اتنی رقم خرچ کرنے میں شائد زحمت محسوس کر رہے ہیں۔ میرا تخمینہ ایک ہزار نسخوں کے لئے سات آٹھ ہزار کا ہے۔ کتاب کے لئے صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ میرے اہتمام میں بلکہ میرے سامنے چھپے لیکن روپے کی فراہمی کا معاملہ میرے لیے مشکل ہے۔ آرزو تو بہت ہے کہ کتاب میری زندگی میں چھپ جائے لیکن دیکھئے اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ میں نے بھی ایک دوست سے کہا ہے کہ وہ لاگت کا تخمینہ کریں۔ ان کا تخمینہ آ جائے تو میں ان سوالوں کے جواب دے سکوں گا جو آپ نے پوچھے ہیں۔

میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ کوئی صاحب روپیہ دے دیں اور وہ منافع میں شریک ہو جائیں۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 16 ستمبر 1964ء

2۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ مجھے آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ تصور دین سے متعلق جو غلط فہمیاں جماعت اسلامی کے لٹریچر سے پھیلی ہیں ان کو تفسیر میں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں آپ کو

یہ کریں کہ اجتماع میں جو قرارداد اس کی جگہ وہ پیش کرنا چاہتے ہیں وہ مجھے پہلے سے دکھالیں تاکہ اجتماع عام میں مجھے اس سے اختلاف کرنے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔ امیر جماعت نے مجھ سے ایسا کرنے کا وعدہ کیا لیکن انہوں نے یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔ میں نے ان سے یہ بھی گذارش کی کہ وہ اپنا استعفیٰ جس شکل میں اجتماع عام کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں میں اس سے بھی واقف ہونا چاہتا ہوں کیونکہ ان کے استعفیٰ کی آڑ میں ان کے اصحاب نے میری پوزیشن کافی خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ امیر جماعت نے اس کا بھی مجھ سے وعدہ فرمایا لیکن اس وعدہ کے ایفاء کی نوبت بھی نہیں آئی۔

(5) ماچھی گوٹھ میں اجتماع عام سے پہلے شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پہلی مرتبہ وہ قرارداد میرے سامنے آئی جو امیر جماعت اجتماع عام میں جماعت کے سامنے لانے والے تھے۔ اس قرار داد پر میں نے نہایت سخت الفاظ میں تنقید کی۔ میں نے شوریٰ کو بتایا کہ اگر آپ لوگ اس قرارداد کو اجتماع عام میں لائیں گے تو میں دسمبر والی شوریٰ کی قرارداد جماعت کے سامنے پیش کروں گا اور امیر جماعت اور ان کے اصحاب نے اس قرارداد کو دفن کرنے کے لئے جو مہمیں چلائی ہیں اور جو اقدامات کئے ہیں وہ سب اجتماع عام میں بیان کروں گا۔ میرے یہ موقف اختیار کر لینے کے بعد شوریٰ میں تعطل پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد اکثر ارکان شوریٰ مجھ سے ملے اور اس صورت حال کے پیدا ہو جانے پر اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ میری تقریر کے وقت میرے ہاتھ میں قرآن ہو گا اور میں اپنے داہنے امیر جماعت کو بٹھاؤں گا اور بائیں قائم مقام امیر جماعت چودھری غلام محمد صاحب کو۔ یہ دونوں حضرات میری جس بات کو کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے میں بغیر کسی حجت کے اس کو واپس لے لوں گا۔ مگر جماعت کے بزرگوں نے باصرار مجھے ایسا کرنے سے روکا کہ اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ بالآخر 24 گھنٹوں کے بعد باقر خان صاحب میرے پاس قرارداد لے کر آئے اور یہ کہا کہ امیر جماعت فرماتے ہیں کہ اگر تم اس میں کوئی لفظی ترمیم کرنا چاہتے ہو تو وہ تجویز کرو۔ اس پر غور کر لیا جائے گا۔ لیکن کسی بنیادی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ میری تقریر تیار ہو چکی ہے۔ کسی لفظی ترمیم سے میرا مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس وجہ سے اس پیشکش کو قبول کرنا میرے لئے ناممکن تھا' لیکن محض اس خیال سے میں نے ناممکن کو ممکن بنایا کہ امیر جماعت کی ضد کے باوجود میں کوئی ایسی بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا جس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو۔ چنانچہ میں نے قرارداد میں بعض لفظی ترمیمات کرکے اس کو جماعت کے اصل نصب العین کے قریب بنانے کی کوشش کی۔ امیر جماعت اور شوریٰ نے کچھ ردوکد کے بعد میری یہ ترمیم قبول کر لی۔ قرارداد میں تو میری ترمیم شامل کر لی گئی لیکن امیر جماعت نے اس ترمیم کی روشنی میں اپنی تقریر میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی۔ انہوں نے اس قرارداد پر وہی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی جو وہ گھر سے تیار کر کے لے گئے تھے۔ اس تقریر میں ان مضمرات کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا جو میری ترمیم سے قرارداد میں شامل ہوئے تھے۔ مزید ستم

یہ فرمایا کہ یہ اعلان بھی فرما دیا کہ اس قرارداد کا مفہوم قرارداد کے متن سے نہیں بلکہ ان کی تقریر سے سمجھا جائے گا۔ میں نے اس پر توجہ دلائی کہ کسی قرارداد پر کسی کی تقریر کتاب آئین کا جزو نہیں ہوا کرتی۔ لیکن "اسلامی جمہوریت" کے اس ہنگامے میں میری کون سنتا؟ اس کے بعد امیر جماعت نے ایک زیادتی یہ فرمائی کہ ایک فقرہ اپنی طرف سے قرارداد میں اور بڑھا دیا جس کو نہ میں نے منظور کیا تھا اور نہ وہ شوریٰ میں زیر بحث آیا تھا۔ میں نے اس سے یہ اندازہ لگایا کہ امیر جماعت اس وقت جماعت کے مصالح سے زیادہ اپنی غلط پالیسی مسلط کرنے کے جذبہ سے مغلوب ہیں۔ ایسی حالت میں میرا خاموش رہنا ہی مناسب تھا۔ چنانچہ میں خاموش رہا۔

اس سلسلہ کی آخری چیز جس کا میں متوقع تھا وہ یہ تھی کہ امیر جماعت اپنی تقریر کی طرح میری وہ تقریر بھی شائع کریں گے جو میں نے اس قرارداد کی وضاحت میں کی تھی۔ لیکن میری تقریر کا کہیں ذکر تک نہیں آیا۔ میں برابر منتظر رہا کہ اگر یہ حضرات مانگیں گے تو میں خود اپنی تقریر قلمبند کروں گا۔ لیکن کسی نے مجھ سے نہ مانگی حالانکہ دوسروں سے ان کی تقریریں تحریری شکل میں طلب کی گئی تھیں۔ اب قیم جماعت فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے مانگی تھی مگر میں نے نہیں دی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

جہاں تک امیر جماعت کے استعفیٰ کا تعلق ہے وہ نہ تو ماچھی گوٹھ میں میرے سامنے آئے اور نہ اس سے پہلے۔ ماچھی گوٹھ میں حسب وعدہ و اعلان مجمع عام کے سامنے اپنے وجوہ استعفیٰ رکھنے کے بجائے انہوں نے خلوتیان راز کی ایک مجلس ہی کو جو کچھ بتانا مناسب سمجھا بتایا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ اس مجلس میں کیا قول و قرار ہوئے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس مجلس میں ہی جماعتی تنظیم کا وہ فلسفہ تیار ہوا ہے جس کا اظہار امیر جماعت نے اپنی کوٹ شیر سنگھ والی تقریر میں فرمایا تو آپ یقین فرمائیں کہ میں اس آمریت کی اسی وقت مخالفت کرتا لیکن جو چیز صرف امیر جماعت اور ان کے محرمان راز کے پیٹ میں ہو اس کی مخالفت اس کے تولد ہونے سے پہلے کیسے کر سکتا تھا؟ میں نے ماچھی گوٹھ میں جن باتوں کو مانا تھا ان کو اب بھی مانتا ہوں لیکن مجھے کیا معلوم کہ ماچھی گوٹھ کی خلوتوں میں کیا باتیں طے ہوئیں۔ میں نے ماچھی گوٹھ میں امیر جماعت کا اگر گریبان پکڑنا چاہا تھا تو اس لئے کہ میں سمجھتا تھا کہ وہ مشکلات کی وجہ سے گھبرا اٹھے ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ان کی آزردگی اس لئے ہے کہ ان کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہیں جو اب موجودہ دستور نے ان کو بخشے ہیں تو آپ یقین کریں کہ میں ماچھی گوٹھ میں ہی وہی طرز عمل اختیار کرتا جو میں نے کوٹ شیر سنگھ میں کیا۔ میں نے ماچھی گوٹھ میں امیر جماعت کے استعفیٰ سے متعلق جو تقریر کی تھی اس میں بھی میں نے اسی طرح کی باتیں کی تھیں جس طرح کی باتیں میں کہنے اور سوچنے کا عادی ہوں۔ لیکن تسنیم میں وہ جس طرح مسخ کر کے شائع کی گئیں اس کو پڑھ کر مجھے سخت ندامت ہوئی تھی کہ جن لوگوں نے میری یہ تقریر سنی نہیں ہے' صرف "تسنیم" میں پڑھی ہے' وہ مجھے بھی خوشامدیوں کے کنبہ کا ایک فرد

سمجھیں گے۔ مگر میں نے اس پر بھی صبر کیا۔

(6) ماچھی گوٹھ میں جو پالیسی طے ہوئی تھی میں اس کا اب بھی حامی ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ ماچھی گوٹھ میں اس کے چار جزو تھے۔ اب لاہور میں اس کا صرف ایک ہی جزو باقی رہ گیا ہے۔ اگر آپ کو اصرار ہے کہ اس کے چاروں اجزاء سلامت ہیں اور پورے توازن کے ساتھ قوم کو چاروں ہی استعمال کرائے جا رہے ہیں' نیز اب بھی آپ کے خیال میں جماعت کا نظریہ یہی ہے کہ اصلاح معاشرہ انقلاب قیادت کا ذریعہ بنے' تو میں آپ کو ملامت کرنے کی بجائے آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ کچھ دن اور انتظار کیجئے۔ انشاء اللہ وہ دن جلد ہی آ رہا ہے جب اندھے بھی دیکھیں گے اور گونگے بھی پکاریں گے کہ جماعت کا approach ہر چیز میں بدل چکا ہے۔ ماچھی گوٹھ میں جو قرارداد پاس ہوئی ہے اس کو خوب غور سے پڑھ لیجئے اور امیر جماعت' جماعت کو جدھر لے جا رہے ہیں اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ امیر جماعت ماچھی گوٹھ کی قرارداد پر بھی وفاداری کے ساتھ عمل نہیں کر رہے ہیں۔

ماچھی گوٹھ کی قرارداد اکثریت کا فیصلہ تو ضرور ہے لیکن یہ اکثریت مفلوج اور بیمار اکثریت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثریت کا فیصلہ ہونے کے باوجود جماعت کے ارباب قیادت اس پر خود جماعت کو بھی مطمئن کرنے میں زحمتیں محسوس کر رہے ہیں۔ حالانکہ ابھی اس راہ کی اصل زحمتیں پوری طرح نمایاں نہیں ہوئی ہیں۔ صحتمند اکثریتوں کے فیصلوں کا حشر یہ نہیں ہوا کرتا۔ میں اس کو مریض اور بیمار اکثریت اس وجہ سے کہتا ہوں کہ یہ امیر جماعت کے استعفیٰ سے نہایت بری طرح ہراساں اور مرعوب تھی۔ اس کو اپنے مستقبل کی پالیسی طے کرتے وقت پالیسی کے برے بھلے پر غور کرنے سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ امیر جماعت کو کسی نہ کسی طرح راضی کیا جائے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب میں یہ بڑی کمزوری ہے کہ جماعت کے اندر ان کو جو احترام اور مقبولیت حاصل ہے اس سے وہ نہایت غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ جب کسی بات کو منوانا چاہتے ہیں تو اس کا سہل نسخہ ان کے نزدیک امارت سے استعفیٰ کی دھمکی ہے۔ میں ان کی اس عادت کا برابر تجربہ کرتا رہا ہوں۔ صرف گذشتہ ایک سال کے اندر انہوں نے جماعت اور شوریٰ کو تین مرتبہ ایسے استعفیٰ کی دھمکیوں سے مرعوب کیا ہے۔ بظاہر تو یہ جمہوریت نوازی کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس طرح وہ جماعت کو یہ تربیت دیتے ہیں کہ وہ چپ چاپ ان کے پیچھے چلتی رہے۔ جو آدمی کسی جماعت میں مقبول ہو اگر وہ اپنی بات منوانے کا یہ طریقہ اختیار کر لے تو وہ اس جماعت کو برباد کر کے رکھ دے سکتا ہے۔

(7) ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے بعد اہل مرکز نے جن لوگوں کے بارے میں یہ رائے قائم کر لی کہ مولانا مودودی کے ساتھ ان کی عقیدت کمزور ہے ان کو ذلیل کرنے اور جماعت سے ان کو کاٹ پھینکنے کے

نت نئے طریقے اختیار کئے۔ خود امیر جماعت نے اپنے بعض مضامین میں جماعت کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ اس طرح کے لوگوں کی وہ خود سرکوبی کریں۔ میں نے اس رویہ پر بھی احتجاج کیا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

(8) کوٹ شیر سنگھ میں اس مجلس شوریٰ کا (جو مجلس دستور ساز بھی تھی) پہلا اجلاس ہوا جس کا نقشہ ماچھی گوٹھ میں تیار ہوا تھا۔ امیر جماعت نے اس کی رہنمائی کے لیے ایک تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں انہوں نے تحریک اور تنظیم کا ایک نیا فلسفہ پیش کیا اور اپنے لئے ان اختیارات کا مطالبہ بھی کیا جو زمانہ جنگ میں کسی فوج کے سپہ سالار کو حاصل ہوتے ہیں۔ اپنے اس مطالبے کے ساتھ انہوں نے استعفیٰ کی دھمکی چپکا دی کہ اگر ان کو یہ اختیارات نہ ملے تو وہ امارت کے فرائض کی ذمہ داریاں نہ سنبھالیں گے۔ ان کی اس تقریر سے میرے اوپر اس راز کا انکشاف ہوا جس کی سرگوشیاں ماچھی گوٹھ میں ہوئی تھیں۔ میں نے جماعت کے ذمہ داروں کے سامنے اس تقریر کے خلاف احتجاج کیا لیکن اہل شوریٰ نے جماعت کے پورے دستور کو امیر جماعت کے منشاء کے مطابق تبدیل کر دیا۔ اس نئے دستور کو کوئی سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو مگر میں سمجھتا ہوں۔ اس کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ سارے اختیارات مجلس عاملہ کو حاصل ہیں' اور مجلس عاملہ امیر جماعت کی جیب میں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں نے شوریٰ کے اس اجلاس میں قدم بر قدم اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میں دلائل کا مقابلہ تو کر سکتا تھا...... لیکن امیر جماعت کی استعفیٰ کی دھمکی کا جواب میرے لئے ناممکن تھا۔ اس وجہ سے میں نے بہتری اس میں سمجھی کہ ان لوگوں کو ان کے طریقے پر کام کرنے کے لئے چھوڑ دوں اور خود مجلس عاملہ سے استعفیٰ دے دوں۔

(9) معاملہ کے اس حد پر پہنچ جانے کے بعد مجھ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جماعت کا دستور' نظام اور پالیسی ہر چیز بدل چکی ہے۔ اب اس کے اندر رہ کر اس کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔ مجھ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ اب ہمارا اقامت دین کا نعرہ ایک بالکل کھوکھلا نعرہ ہے۔ اب جماعت کے لیڈروں کی انتہائی آرزو صرف یہ ہے کہ اسمبلی کی چند سیٹوں پر کسی طرح قبضہ کریں اور بس۔ چنانچہ میں نے جماعت کی رکنیت سے استعفیٰ دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن جماعت کے کچھ مخلصین نے مجھے ایسا کرنے سے روکا۔ انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ تم سارا معاملہ ایک پنچایت کے حوالہ کر دو۔ ان کے اصرار سے میں ایک پنچایت پر راضی ہو گیا۔ اس پنچایت کا معاملہ شوریٰ میں پیش ہوا تو سب سے پہلے امیر جماعت ہی نے اس کی مخالفت شروع کی۔ اہل پنچایت نے اپنی ناکامی کی جو رپورٹ پیش کی ہے اس کو امیر جماعت سے مانگئے اور ملاحظہ فرمائیے۔ یا محمد باقر خاں صاحب سے جو اس پنچایت کے ایک رکن تھے اس کی تفصیلات معلوم کیجئے۔

(10) ان سارے تجربات کے بعد اب میں کس مقصد کے لیے جماعت میں پڑا رہتا! میں نہ تو انقلاب قیادت کے نعرے کو اسلامی انقلاب کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور نہ ووٹ حاصل کرنے کی بھاگ دوڑ کو اصلاح معاشرہ کا واسطہ۔ جماعت کا موجودہ دستور میرے نزدیک نہ شورائی ہے نہ جمہوری۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مجھے امیر جماعت کے نہ عدل پر بھروسہ ہے نہ ان کی تنہا بصیرت پر' نہ دستور جماعت کے ساتھ ان کی وفاداری پر۔ لے دے کر صرف ایک چیز رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس جماعت میں بہت سے نیک دل اور خدا ترس مسلمان شامل ہیں۔ جماعت کی یہ چیز میری نگاہوں میں بڑی قابل قدر ہے۔ میں ان سب بھائیوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ لیکن اس محبت اور دعاگوئی کے لیے میرا جماعت کے ساتھ بندھے رہنا کوئی ضروری نہیں تھا۔ یہ خدمت میں باہر رہ کر بھی انجام دیتا رہوں گا۔
مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ آپ جماعت کے بعض نادان حامیوں کی طرح جماعت اسلامی کو وہ 'الجماعت' سمجھتے ہوں گے جس سے کسی کا نکلنا جہنم کی وعید کا مستوجب ہو یا جس کے چھوڑنے کے لئے جماعت کی طرف سے کسی کفر صریح کا اعلان ضروری ہو۔ یہ جماعت اقامت دین کے لئے اٹھی تھی۔ اگر کسی پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اس کے لیڈروں نے اس کو اس راہ سے ہٹا کر کسی غلط راہ پر ڈال دیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ اور اگر دیکھے کہ اس طرح کی کوشش کی راہ مسدود ہو چکی ہے تو اس سے الگ ہو جائے۔ میں نے اپنے امکان کی حد تک اس کی اصلاح کی کوشش کی لیکن جب مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو اس سے الگ ہو گیا ہوں۔ مجھے خدا نے دین اور دنیا کا تھوڑا بہت جو علم دیا ہے میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی رہنمائی میں کیا ہے۔ میں اگر ایسا نہ کرتا تو میری روح خدا سے شرمندہ ہوتی اور میرا ضمیر مردہ ہو جاتا اور شاید آئندہ نسلیں مجھ پر لعنت بھیجتیں کہ میں نے جماعت کی خیر خواہی کا حق ادا نہیں کیا۔ علم و یقین کی حد تک میرا دل پوری طرح مطمئن ہے اور جب میرا دل مطمئن ہے تو مجھے اس کی خس برابر بھی پروا نہیں ہے کہ کون مجھے منافق سمجھتا ہے اور کون مومن۔ والسلام۔

شورش کاشمیری مدیر چٹان۔ لاہور — لاہور: 18 فروری 1958ء

69۔ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ اگرچہ میرے مضمون پر اسی طرح کے تاثرات بعض دوسرے احباب اور اہل علم نے بھی ظاہر کئے تھے لیکن میری دلی خواہش تھی کہ یہ مضمون کسی طرح آپ کی نظر سے بھی گزر جائے اور آپ کا تاثر بھی معلوم ہو جائے۔ اس خواہش کی وجہ یہ تھی کہ مجھے توقع تھی کہ آپ کی رائے بہرحال بے لاگ ہو گی اور اس سے مجھے صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ الحمد للہ آپ نے اپنی رائے سے مجھے آگاہ فرمایا اور مجھے اس سے اطمینان ہوا۔
مجھے جماعتی حلقوں کی طرف سے بھی بعض خطوط موصول ہوئے ہیں لیکن وہ زیادہ تر گمنام ہیں۔ ان میں میرے دلائل کی قوت کا تو اعتراف کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی مجھے اس جرم میں گالیاں دی گئی ہیں کہ میں نے اس مضمون میں مولانا مودودی صاحب پر ذاتی حملے کئے ہیں۔ چونکہ یہ خطوط گمنام تھے اس وجہ سے میں نے ان کو کوئی اہمیت نہ دی۔
مرکز کے لوگوں میں سے ایک صاحب نے اپنی اہلیہ کے ذریعہ سے بار بار پیغام بھیج کر میری بیوی کو بلوایا۔ میری اہلیہ اپنی والدہ کی شدید علالت کے باوجود محض اس خیال سے ان کے ہاں چلی گئی کہ شائد کسی خانگی مشکل میں ان کی کسی مدد کی ضرورت ہو لیکن ان صاحب نے میری اہلیہ کے سامنے مجھے خوب خوب صلواتیں سنائیں۔ مرکز کے بعض دوسرے حضرات کا بھی رویہ یہی ہے۔ مجھے اس رویہ پر افسوس تو ضرور ہوا لیکن کوئی تعجب نہیں ہوا' اس لئے کہ میں اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر ان لوگوں سے اس سے بہتر اخلاق کی کوئی توقع نہیں رکھتا تھا۔
یکم جون سے میثاق کے نکالنے کا اعلان ہو چکا ہے۔ ابھی چونکہ کوئی تجربہ کار مددگار حاصل نہیں ہو سکا ہے اس وجہ سے انتظام میں زحمتیں ہو رہی ہیں۔ دعا کیجئے کہ یکم تک پرچہ کسی نہ کسی طرح نکل جائے۔ اس کے ڈیکلریشن کی آخری مدت بس ۵ جون تک ہے۔ میں نے ڈیکلریشن تو الاصلاح کے نام سے بھی داخل کرا دیا تھا لیکن اس میں بعض رکاوٹیں پیدا ہوتی گئیں۔ اب اگرچہ اس نام سے بھی مل گیا ہے لیکن اب بھی اس میں بعض ایسی رکاوٹیں ہیں کہ میں اگر اس کو استعمال کرنا چاہوں تو اس میں کئی مہینے لگ جائیں گے۔ اس وجہ سے میثاق ہی کے نام سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی کامیابی کے لیے دعا فرمایئے۔
مدرسہ اصلاح البنات کے متعلق یہ معلوم کرکے آپ کو خوشی ہو گی کہ اس کے مڈل کے درجہ میں ۱۸ لڑکیاں تھیں۔ ان سب کے نام امتحان کے لئے بھیج دیئے گئے تھے۔ سب امتحان میں شریک ہوئیں اور خدا کے فضل سے ایک کے سوا سب اچھے نمبروں سے پاس ہو گئیں۔ ایک لڑکی فرسٹ ڈویژن میں آئی۔ اس دوران میں دینی تعلیم و تربیت جو ان بچیوں نے حاصل کی وہ مزید برآں ہے۔ لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ مالی مشکلات کے سبب سے اس سال ہم نواں درجہ یہاں نہ کھول سکے......(بچیوں کا یہ مدرسہ مولانا کی اہلیہ چلاتی تھیں۔۔مدیر)

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 23 مئی 1959ء

70۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری اور حسن ظن کریمانہ کے لیے دل سے شکر گزار ہوں۔ اگر آپ محسوس فرماتے ہیں کہ آپ کسی جماعت سے وابستہ ہوئے بغیر دین کی کماحقہ' خدمت انجام نہیں دے سکتے تو اپنے منشاء کے مطابق کسی جماعت کا انتخاب کرنا آپ ہی کا کام ہے۔ میں اس معاملہ میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود کسی جماعت میں شامل نہیں ہوں اور میں کسی پارٹی کی پالیسی اور پروگرام

سے متفق بھی نہیں ہوں۔ جس کسی کے کسی کام میں خیر دیکھتا ہوں اس کے لیے' اس کے خیر کے حد تک کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ اب میری ساری توجہ تفسیر کے کام پر مرکوز ہے اور صحت ایسی نہیں رہی ہے کہ کسی ہنگامی کام میں عملاً حصہ لے سکوں۔

جماعت اسلامی سے میرے اختلافات کی تاریخ بہت پرانی ہو چکی ہے۔ میں اس اختلاف کے وجوہ و اسباب پر تفصیل سے رسالہ میثاق میں بحث کر چکا ہوں۔ اب ان کو دہرانا غیر ضروری اور بعد از وقت ہے اور خط میں یہ ساری تفصیل سما بھی نہیں سکتی۔ بس اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ میں جماعت اسلامی اور اس کے امیر دونوں ہی سے آخری درجہ میں مایوس ہو کر علیحدہ ہوا ہوں اور اپنی اس علیحدگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔

کوثر صاحب (مراد کوثر نیازی صاحب ہیں جو پہلے جماعت اسلامی میں تھے' بعد میں اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔۔مدیر) کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری ہے اس وجہ سے اس کی بابت میں کچھ نہیں عرض کر سکتا کہ اس میں میری طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اور میرے لیے یہ محاکمہ بھی مشکل ہے کہ مولانا مودودی صاحب حق پر ہیں یا کوثر صاحب۔ میری واقفیت اب ان دونوں ہی حضرات سے محض برائے نام ہے اور جس حد تک ہے وہ نہایت مایوس کن ہے۔

حمید الرحمٰن۔ سوات — لاہور: 18 اکتوبر 1972ء

71۔ میں آپ کی طویل خاموشی سے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ آپ مجھے بالکل بھول گئے لیکن کل اچانک گرامی نامہ پا کر حیرت آمیز مسرت ہوئی۔

میں آج کل لاہور میں ہوں اور جب تک فیصلہ تقدیر نہ صادر ہو جائے یہیں رہنا پڑے گا۔ میری اہلیہ سخت بیمار ہیں اور معالجوں کی ہدایت یہ ہے کہ ان کو ان کی نگرانی میں رکھا جائے۔

مولانا مودودی مرحوم کے جنازے میں شریک ہوا اور ان کے گھر پر بھی گیا۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا لیکن معلوم نہیں کیوں پریس نے اس کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی۔ یہاں اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ نہایت افسوس ناک ہے۔

بھارت سے آنے والوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرے رویہ سے بہت خوش تھے۔ یہاں کے لوگوں سے ملنے میں میں نے احتیاط برتی۔

آپ میری عمر کی طوالت سے گھبرا کر خط لکھنا نہ بند کریں۔ میری زندگی کے دن بھی اب گنتی کے ہیں۔

شیخ سلطان احمد — لاہور: 12 اکتوبر 76ء

ڈاکٹر اسرار احمد

72۔ عرصے سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ تشویش ہے۔ خیریت کے دو حرف لکھ کر ممنون فرمایئے۔ میں مہینے میں ایک دو خط اپنی خیریت کے آپ کو ضرور لکھوا دیتا ہوں۔ لیکن ڈاک کا عجیب نہجار ہے کہ میرے اکثر خطوط ضائع ہو جاتے ہیں جس سے دوستوں اور مخدوموں کو شکایت ہوتی ہے۔

بڑے غم کے ساتھ آپ کو اس سانحے کی اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بعض خلاف شریعت اقدامات کی وجہ سے ان سے اور رسالہ میثاق سے بالکل قطع تعلق کر لیا ہے۔ حادثے کی تفصیلات سے آپ کو دکھ ہو گا' اس وجہ سے ان کے ذکر سے گریز کرتا ہوں۔ میں نے بھی اور مجھ سے بہتر دوسرے احباب نے بھی ڈاکٹر صاحب کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن افسوس ہے کہ کامیابی نہیں ہوئی۔ قدرتی طور پر اس سانحہ کا میری صحت پر بہت برا اثر پڑا ہے۔ دعا فرمایئے کہ یہ زندگی کا آخری سانحہ ہو۔ اب اس قسم کے سانحہ کے برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی ہے۔

میرے درس کا سلسلہ الحمد للہ جاری ہے اور اب میں تفسیر کے لکھنے کا کام بھی شروع کر رہا ہوں۔ دعا فرمایئے کہ آخر دم تک یہ کام جاری رہے۔ آپ کے گرامی نامہ کا تشویش کے ساتھ انتظار رہے۔ براہ کرم جواب سے جلد مطمئن فرمایئے۔

ڈاکٹر عبد اللطیف خان — لاہور: 17 ستمبر 1972ء

73۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ پھر لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ اگرچہ معاملہ زیر بحث میں اب مجھے کسی خیر کی امید نہیں ہے۔ لیکن آپ اگر کسی خیر کی امید دیکھتے ہیں تو کوشش کر دیکھئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اب بالکل مایوس ہو چکا ہوں۔ اس وجہ سے میں نے کہلا دیا ہے کہ پرچے کے سرورق سے میرا نام نکال دیا جائے اور تفسیر کی اشاعت پرچے میں بند کر دی جائے۔ (پرچہ سے مراد ماہنامہ میثاق ہے جو ڈاکٹر صاحب کی ادارت میں شائع ہو رہا تھا۔۔۔مدیر) میرا خیال ہے کہ میری طرف سے اظہار براءت کے لیے یہ چیز کافی ہو گی۔ پبلک میں کوئی اعلان کر کے میں اپنی رسوائی کی مزید تشہیر نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ چٹان وغیرہ مجھ سے انٹرویو کے خواہشمند تھے لیکن صحت کی خرابی کا عذر کر کے میں نے بات ٹال دی ہے۔ آپ کے آنے سے ملاقات کی خوشی کے علاوہ یہ مقصد بھی مدنظر ہے کہ میری کتابوں کا معاملہ اب کسی نہ کسی شکل میں طے ہونا چاہیے۔ کل میں نے مولوی برکت علی صاحب سے بھی ایک کارڈ آپ کے نام ڈلوا دیا ہے۔ امید ہے وہ بھی موصول ہو گیا ہو گا......

میں اب قطعی معلومات کی بناء پر اس نتیجہ تک پہنچ چکا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کو روپے کی ضرورت تھی وہ ان کو مل گیا ہے۔ آپ لوگوں کی اب ان کو مطلق ضرورت نہیں۔ اس وجہ سے سلامتی اسی میں ہے

کہ خاموشی سے اس فتنہ سے الگ ہو جائیے۔ ان کو کسی پہلو سے منہ لگانا بھی آپ لوگوں کے شایان شان نہیں ہے۔ بس جو حادثہ پیش آنا تھا وہ پیش آ چکا۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ویسے آپ آئیے ضرور۔ آپ کے آنے سے مجھے بڑا اطمینان ہو گا۔ میں برابر منتظر رہوں گا۔

حکیم شیخ سلطان احمد　　　　لاہور: 17 ستمبر 1972ء

74۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کے بخیریت پہنچنے کی اطلاع پا کر نہایت خوشی ہوئی۔
برادرم شیخ سلطان احمد صاحب کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔ وہ اٹھائیس ستمبر کو پھر لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ اصلاح احوال کی مزید کوشش کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھے مطلق کسی خیر کی امید نہیں ہے۔ کراچی سے واپسی کے بعد ڈاکٹر صاحب (مراد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔ مدیر) نے اپنے اس فیصلے کا اظہار کر دیا ہے کہ وہ اپنا دستور مجوزہ خاکے کے مطابق ہی بنائیں گے اور میثاق ان کی انجمن کا ترجمان ہو گا۔ (انجمن سے مراد ڈاکٹر صاحب کی قائم کردہ انجمن خدام القرآن اور دستور سے مراد اس انجمن کا دستور ہے جس پر مولانا کو متعدد اعتراضات تھے۔ مدیر) ایسی صورت میں رسالے سے میرا تعلق باقی رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر رسالے میں تفسیر کا سلسلہ جاری رہے تو پھر اس سے میری بے تعلقی کا اظہار نہیں ہو سکے گا۔ البتہ تفسیر کی اشاعت کا کوئی متبادل انتظام کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میں آپ کی رائے سے متفق ہوں۔ میں یہاں دوستوں سے بھی مشورہ کر رہا ہوں اور سلطان احمد صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو آخری فیصلے سے مطلع کر دوں گا......
میری صحت برابر گرتی جا رہی ہے۔ امید ہے آپ وہاں مجھے برابر اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

مولانا عبد الغفار حسن۔ مدینہ منورہ　　　　لاہور: 21 ستمبر 1972ء

75۔ آپ کا 17 جولائی کا خط موصول ہوا۔ اس کو پڑھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ کیا آپ نے مجھے اتنا کمزور اور بے اصول آدمی گمان کیا ہے کہ میں آپ کے اور دوسرے رفقاء کے سامنے تو ابرار صاحب اور ان کے مضمون کی تعریف اور ان کے حسن مدافعت پر ممنونیت کا اظہار کروں گا اور لغاری صاحب کو خط لکھ کر یہ اطمینان دلاؤں گا کہ ابرار صاحب اور ان کے مضمون سے میں اعلان براءت کرتا ہوں!
بھائی' میں نے میثاق میں ڈاکٹر اسرار کے اس نئے فتنہ کو جوں ہی دیکھا فوراً ایک کارڈ (کارڈ اس لیے کہ بروقت کوئی لفافہ موجود نہیں تھا) ابرار صاحب سلمہ' کو لکھا کہ یہ خط بالکل جعلی ہے' میں نے اس مضمون کا کوئی خط لغاری صاحب کو نہیں لکھا ہے اور ساتھ ہی لغاری صاحب کو بھی لکھا کہ میں نے تو اس

مضمون کا کوئی خط لکھا نہیں' اگر لکھا ہے تو براہ کرم وہ بصیغہ رجسٹری مجھے فوراً بھیج دیجئے۔ آپ کو بھی لکھنا چاہا لیکن تلاش بسیار کے باوجود آپ کا پتہ نہیں ملا۔ بالآخر جمعہ کو ایک رقعہ انور صاحب سلمہ کے ذریعہ آپ کو بھجوایا۔ معلوم نہیں وہ آپ تک پہنچا یا نہیں؟
لغاری صاحب سے میری جو گفتگو ہوئی تھی اس کی ساری رپورٹ میں نے آپ کو سنا دی تھی۔ ان کی پوری کوشش کے باوجود میں نے ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ قبول نہیں کیا۔ میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میں دل سے خواہش مند ہوں کہ ڈاکٹر اسرار صاحب' ابرار صاحب کے مضمون کا جواب لکھیں۔ لغاری صاحب کو میں نے جو دوسرا خط لکھا ہے اس کا ابھی جواب نہیں آیا اور ابرار صاحبؒ نے بھی میرے خط کی رسید نہیں بھیجی۔ معلوم نہیں ان کو خط پہنچا بھی یا نہیں؟ دیہات میں رہ کر ایسے مواقع پر بڑی بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔
آپ اس خط کے جعلی ہونے کا اعلان فوراً کرا دیجئے اور ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ بھی شائع کرا دیجئے۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ معافی نامہ اصلاحی نے اس لیے قبول نہیں کیا کہ اپنے جن جرائم کی ڈاکٹر صاحب نے معافی مانگی ہے وہ تو میثاق کے صفحات میں کیے ہیں تو معافی نامہ رازدارانہ طور پر کیوں آیا ہے۔ اس طرح کی معافیاں تو وہ کئی بار اس سے پہلے بھی مانگ چکے ہیں لیکن اپنے رویے کی انہوں نے کوئی اصلاح نہیں کی۔
لغاری صاحب سے تین چار ملاقاتوں میں جو باتیں اس مسئلہ پر ہوئی ہیں اگر ان کی ضرورت ہو تو میں ان کو قلم بند کروں۔ میری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ ڈاکٹر صاحب کے ان تمام بہتانوں پر تبصرہ کریں جو ڈاکٹر صاحب نے مجھ پر لگائے ہیں تاکہ ابرار صاحب کا تبصرہ مکمل ہو جائے۔ اس کا عنوان 'اسرار نامہ' رکھیں۔
بہرحال ڈاکٹر اسرار کی سرکوبی اب ضروری ہے۔ اگر اب ان کو ڈھیل دی گئی تو ان کی جسارت بہت بڑھتی جائے گی۔ ابرار صاحب کو بھی میں خط لکھ رہا ہوں لیکن آپ ان کو مطلع کریں کہ میں ان کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس موذی کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ میں نے جو رقعہ آپ کو انور سلمہ' کے ذریعہ بھیجا ہے وہ نہ ملا ہو تو نعمان سلمہ سے حاصل کیجئے۔ آپ میرے جس خط کو مناسب سمجھیں اس کو بعینہ یا اس کا اقتباس شائع کر سکتے ہیں۔

خالد مسعود　　　　رحمان آباد: 19 جولائی 77ء

76۔ جولائی کے میثاق میں ڈاکٹر اسرار نے جو خط مجھ سے منسوب کر کے شائع کیا ہے وہ بالکل جعلی ہے۔ میں نے اس کی اطلاع فوراً ایک کارڈ سے آپ کو کر دی تھی۔ کارڈ اس لیے لکھا کہ بروقت کوئی لفافہ

موجود نہیں تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کارڈ ملا یا نہیں؟ لغاری صاحب کو بھی خط لکھا ہے کہ میں نے تو آپ کو اس قسم کا کوئی خط لکھا نہیں' اگر لکھا ہے تو بصیغہ رجسٹری وہ فوراً مجھے بھیج دیجئے۔ ابھی لغاری صاحب کا کوئی جواب نہیں آیا۔

اصل یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب آپ کے مضمون سے بہت سراسیمہ تھے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں آپ اور آپ کے مضمون کا بہت مداح ہوں تو انہوں نے لغاری صاحب کے واسطہ سے انتہائی کوشش کی کہ میں ان کو معاف کر دوں اور آپ کو مزید کچھ لکھنے سے روک دوں لیکن میں نے ان کا معافی نامہ قبول نہیں کیا۔ بالآخر انہوں نے ایک جعلی خط چھاپ کر ایک تو آپ کے دل میں میرے خلاف بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی' اور دوسرے اپنے ساتھیوں میں اپنا کچھ بھرم قائم رکھنے کی بھی اپنے زعم میں ایک تدبیر کی۔ لیکن اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کو مزید ڈھیل نہ دی جائے۔ آپ چاہیں تو لغاری صاحب سے میری جو گفتگو ہوئی ہے اس کی تفصیل میں بھجوا دوں۔ میں "اسرار نامہ" کے عنوان سے بھی ایک مضمون لکھوا رہا ہوں۔ آپ میرے اس خط کو بعینہٖ یا اس کا خلاصہ شائع کر سکتے ہیں۔ براہ کرم اس خط کی رسید ضرور دیجئے۔

میں آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں اور آپ کی مخلصانہ خدمتوں کا نہایت قدردان اور شکرگزار رہا ہوں البتہ چونکہ ایک عرصہ سے رابطہ ظاہری قائم نہیں رہا تھا اس وجہ سے مضمون پڑھ کر بادل و بلہ ذہن آپ کی طرف نہیں گیا۔ بعد میں لوگوں نے توجہ دلائی تو مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ الحمد للہ میرے ایک دیرینہ عزیز شاگرد ہی نے میری مدافعت میں قلم اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں کو دین کی خدمت میں لگائے رکھے۔

ابرار احمد بگوی — رحمان آباد: 19 جولائی 77ء

77۔ آج یہ خط آپ کو اپنے اس ارادے سے آگاہ کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ میں ایک پمفلٹ 'اسرار نامہ' کے عنوان سے لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اسرار صاحب نے میرے وصل و فصل سے متعلق جو یوسف زلیخا لکھی ہے اس کا جامع جواب ہو جائے اور روز روز کے سوال و جواب سے میری جان چھوٹے۔ اس میں چار پانچ باب ہوں گے:

پہلے باب میں یہ بتاؤں گا کہ میں نے کن توقعات پر اور کس طرح ڈاکٹر صاحب کو اپنے قریب کیا تھا۔

دوسرے میں یہ بتاؤں گا کہ میری طویل علالت کے زمانے میں (یہ اشارہ 1972 میں نسیان کے حملہ کی طرف ہے--- مدیر) ڈاکٹر صاحب نے یہ فرض کر کے کہ اب میرا آخری وقت ہے' مجھے ہر پہلو سے بالکل بے دست و پا اور مفلوج کر دینے کی کیا کیا سازشیں کیں اور ان کے کیا اثرات باہمی تعلقات پر پڑے۔

تیسرے میں یہ بتاؤں گا کہ انہوں نے ان مقاصد کے لیے' جن سے میں شدید بیزار تھا' میرے احتجاج

کے علی الرغم' کن کن طریقوں سے میرے نام کو استعمال کیا اور لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب میری سرپرستی میں' میری ہدایات کے تحت کر رہے ہیں۔

چوتھے میں ان کی دعاوی اور شطحات کا جائزہ لوں گا اور یہ بتاؤں گا کہ ان کے اصلی افق وہ چار نہیں ہیں جو انہوں نے بتائے ہیں بلکہ ان کا افق اعلیٰ قادیان اور ربوہ ہے اور وہ ایک نئی قادیانیت کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں علماء کو توجہ دلاؤں گا کہ وہ اس فتنہ سے آگاہ رہیں اور اس کو سر نہ اٹھانے دیں۔

پانچویں میں یہ بتاؤں گا کہ اس پورے دور وصل میں میں نے ان کو وصل کے کیا کیا آداب بتائے اور سکھائے اور انہوں نے کیا کیا کج ادائیاں کیں جو بالآخر فصل پر منتج ہوئیں۔

اس خاکے پر آپ اور دوسرے رفقاء غور کر لیں اور اپنے مشورے سے آگاہ کریں۔ اس میں میثاق وغیرہ سے حوالے نقل کرنے ہوں گے جو آپ کو جمع کرنے پڑیں گے اور یہ کام آپ شروع کر دیں۔

یہ خط رازدارانہ نہیں ہے۔ آپ مناسب سمجھیں تو پمفلٹ کے عنوانات کا اعلان بھی کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ ایک تمہید کے ساتھ شمس الاسلام کو دے دیں۔

خالد مسعود — رحمان آباد: 20 جولائی 77ء

(اس موضوع پر پے در پے خطوط موصول ہونے پر یہ اندازہ ہوا کہ میثاق میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکلنے والے بعض مضامین نے مولاناؒ کو بے حد پریشان کیا ہے اور وہ شائد تفسیر کے کام سے ہٹ کر ایک بے مصرف کام میں الجھنے والے ہیں۔ چنانچہ راقم نے مشورہ دیا کہ مولانا اپنے کام ہی سے سروکار رکھیں اور اسرار نامہ کے لیے ہرگز فکرمند نہ ہوں۔ ضرورت ہوئی تو یہ پمفلٹ لکھنے کا کام کر لیا جائے گا--- مدیر)

78۔ لغاری صاحب کا خط بھیج رہا ہوں۔ اس سے صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا۔ میں نے لغاری صاحب کو مفصل خط لکھ دیا ہے کہ مجھے آپ کی نیک نیتی میں شبہ نہیں ہے۔ اگر آپ میرے ترجمان کے بجائے میرا اصل خط ان کو دیتے تو ان کو شرارت کا موقع نہ ملتا۔ کل جاوید صاحب (مراد جاوید احمد غامدی ہیں--- مدیر) بھی آئے تھے۔ میں نے انہیں بھی اطمینان دلا دیا کہ آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ آپ کے خط سے بھی وہ مضمون نہیں نکلتا جو اس سے نکالنے کی کوشش کی گئی۔ آپ کے خط کا آخری فقرہ لغاری صاحب نے نیک نیتی سے حذف کیا جس سے ڈاکٹر صاحب نے فتنہ انگیزی کا موقع نکال لیا۔

آپ اس مفسد کے خلاف اپنی مہم پوری سرگرمی سے جاری رکھیں اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اس کا سر نہ کچل دیں۔ میں نے آپ کو اور عزیزی ابرار سلمہ کو جو خطوط لکھے ہیں ان سے جس

شکل میں فائدہ اٹھانا چاہیں اٹھائیں۔ بس اس بات کا لحاظ رکھیں کہ لغاری صاحب اور جاوید صاحب پر آپ کی طرف سے کوئی الزام نہ آئے۔ یہ ساری شرارت ڈاکٹر اسرار کی ہے۔

یہ آپ نے اچھا کیا کہ مجھے اس جھگڑے سے الگ کر دیا۔ آپ کی رائے صائب ہے۔ مگر میں دل سے چاہتا ہوں کہ اس شریر کا تعاقب کیا جائے۔ انوار صاحب بھی لکھیں تو میں ان کا شکرگذار ہوں گا۔ ڈاکٹر اسرار کا معافی نامہ ضروری تمہید کے ساتھ ضرور شائع کیجئے۔ میں نے لغاری صاحب کو بھی صاف لکھ دیا ہے کہ اپنی سعی مصالحت کا انجام دیکھ لینے کے بعد اب آپ اس موذی کے باب میں مجھ کچھ نہ لکھئے۔

میں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ ابرار صاحب اور ان کے مضمون سے اعلان براءت کر کے میں ڈاکٹر صاحب سے جان بخشی کرانے کو تیار نہیں ہوں۔ انہوں نے میرے استاذ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا' شاگرد ہونے کا دعویٰ کیا' یہ چیز میرے لیے باعث فخر ہے۔ اگر ربط قائم نہ رہنے کے سبب سے ان کی شکل یا ان کا نام مجھے اول وہلہ میں یاد نہیں آیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ میں 1923ء سے کسی نہ کسی شکل میں تعلیم و تدریس کا کام کر رہا ہوں۔ اتنی مدت میں ہزاروں میرے شاگرد اس برصغیر میں بھی ہوئے اور دوسرے ملکوں میں بھی ہیں۔ ان میں سے نام مجھے انہی کے یاد ہیں جن سے ربط قائم رہا۔

مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ فی الحال میں نے اپنا پمفلٹ لکھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ رمضان میں باہمی مشورہ سے اس کا نقشہ بناؤں گا۔ احباب کو سلام و دعا!

خالد مسعود

رحمان آباد: 29 جولائی 1977ء

79۔ آپ کا ملفوف ملا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کو میرے دونوں خط مل گئے۔ اسرار صاحب نے جس طرح آپ کو بدگمان کرنے کی کوشش کی اسی طرح اس سے پہلے میرے دوسرے دوستوں کو بھی بدگمان کرنے کی نہایت مکروہ کوششیں کر چکے ہیں۔ میں اس شخص کے ہاتھ بہت ظلم سہہ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس کا مزاج درست کریں۔

میں نے لغاری صاحب کا جواب برادرم خالد مسعود صاحب سلمہ کو بھجوا دیا ہے۔ وہ اصل صورت حال سے اب پوری طرح واقف ہیں۔ ان سے آپ تمام معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ لغاری صاحب میرے دیرینہ مخلص ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ بربنائے اخلاص کیا۔ بس وہ اپنے اخلاص کے سبب سے اب تک ڈاکٹر اسرار کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ ممکن ہے اب کچھ سمجھ جائیں۔

ابرار احمد بگوی

رحمان آباد: 18 اگست 77ء

80۔ ایک طالبہ کا خط آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ان کو اپنے مقالہ کے لیے میرے مختصر حالات زندگی مطلوب ہیں۔ میں اپنے قلم سے اپنے حالات کیا لکھوں۔ آپ اگر یہ کام کر دیں تو مناسب ہے۔ ان کے سوالوں کے مطابق ضروری باتیں نوٹ کر کے بھیج دیجئے اور اس کی نقل محفوظ رکھ لیجئے تاکہ دوسرے طالبوں کو بھی دی جا سکے۔ اس کی ایک کاپی سمیع اللہ بٹ صاحب کو بھی دیجئے۔ انہوں نے 'دعوت دین' کے انگریزی ترجمہ کے سرورق پر جو لائف اسکیچ دیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ وہ اس کی اصلاح کریں گے۔ میں نے آپ ہی کے اعتماد پر وعدہ کر لیا ہے......

امید ہے اسرار نامہ تمام ضروری اشخاص کو پہنچ رہا ہو گا۔ عبد اللطیف صاحب اور نبی صاحب کو بھی بھجوا دیجئے۔ اسرار احمد آپ کا جواب دینے کی جرات نہیں کرے گا۔ بس اسی طرح کی حرکتیں کرے گا جو اس پرچے میں کی ہیں۔ اس کا اثر بہت اچھا پڑے گا۔ اب اس کے آگے بڑھنے کی راہ بند ہو گئی ہے۔ ایک پرچے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ضروری باتوں پر مختصر نوٹ شمس الاسلام میں دیتے رہیں۔ شمس الاسلام والوں سے کہیئے کہ وہ آپ کے مضمون سے خاص خاص اقتباسات نمایاں طور پر دیتے رہیں۔ عبد الرحیم اشرف صاحب کو بھی آپ نے کوئی کاپی ضرور بھیجی ہو گی لیکن ان کو بیگم نسیم ولی خان کی منقبت سے فرصت کہاں!

خالد مسعود

رحمان آباد: 26 اگست 78ء

81۔ تفسیر سے متعلق آپ نے جس رائے کا اظہار فرمایا ہے اسی مضمون کی رائیں دوسرے اصحاب علم کی طرف سے بھی برابر' وصول ہو رہی ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانی کو آپ جانتے ہوں گے۔ وہ بھارت میں دیوبند کے نامور علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک تازہ گرامی نامہ میں لکھا ہے کہ "اس تفسیر سے میری جتنی قرآنی مشکلات حل ہوئی ہیں اتنی کسی کتاب سے بھی نہیں ہوئی ہیں"۔ پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی مجھے اسی طرح کے خطوط آ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور میری محنت کا میرے حق سے بڑھ کر صلہ ہے......

ڈاکٹر اسرار نے جن نئے گمراہ کن عقائد و نظریات کا اظہار اپنی تحریروں میں کیا ہے ان کی ذمہ داری بہت سے لوگ اس غلط فہمی کی بناء پر کہ میں اس کا سرپرست ہوں مجھ پر ڈال رہے تھے اور مجھ سے اس کے متعلق سوالات کر رہے تھے۔ میں نے اس کا اعلان کر دیا ہے کہ میرا اس شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس قطع تعلق پر ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ میں نے اس کے جن عقائد کی بناء پر اس سے قطع تعلق کیا ہے ایک کتابچہ میں اس کی وضاحت بھی کرا دی ہے۔ (مراد اسرار نامہ ہے جسے خالد مسعود نے تحریر کیا۔۔۔مدیر) میں نے یہ کتابچہ آپ کو بھیجنے کی ہدایت کی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نہیں بھیجا گیا۔

میں آج لاہور لکھ رہا ہوں کہ اس کی ایک کاپی آپ کو بھیج دی جائے۔ یہ کاپی پہنچنے پر اس کی رسید اور اس سے متعلق اپنی رائے سے مجھے آگاہ فرمائیے۔

میں ایک طویل تجربے کے بعد بے تکلف یہ لکھتا ہوں کہ یہ شخص نہایت عیار و چالاک ہے۔ اگر اس کو ذرا بھی قدم جمانے کا موقع ملا تو یہ قادیانیوں کے قسم کا کوئی نیا فتنہ اٹھا دے گا۔ میری بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے خفیہ طور پر میرے نام کو اپنے اغراض کے لیے بہت استعمال کیا ہے جس کے سبب سے بہت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ میں اس کا سرپرست ہوں اور یہ میرا شاگرد ہے۔

ملک عبدالرشید عراقی　　　　رحمان آباد: 13 ستمبر 78ء

قطعہ تاریخ وفات مولانا اصلاحیؒ

آہ　مرگ　امین　اصلاحی
جس　کے　باعث　الم　نیا　پایا
ہم　نے　سالِ　فنا　شمیم　ان　کا
داغ　اصلاحی　برملا　پایا

۱۴۱۸ھ

وائے داغ وفات مولانا امین احسن اصلاحی

۱۹۹۷ء

نتیجہ فکر: شمیم صہبائی متھراوی
(بشکریہ قومی زبان اسلام آباد مئی 1998ء)

علالت

82۔ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ الحمد للہ اب میں بالکل اچھا ہوں۔ آپ کی اس دریافت خیریت سے بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں اس بیماری کا یہ مبارک پہلو سمجھتا ہوں کہ اس کے سبب سے عزیزوں اور دوستوں نے مجھے اپنی دعاؤں میں یاد کیا۔ میں آپ کے لیے علم اور عمل صالح کی دعا کرتا ہوں۔ میں ایک ہفتہ کے لیے باہر چلا گیا تھا اس وجہ سے جواب میں کچھ تاخیر ہو گئی۔

مولانا عبدالحسیب صاحب۔ سرائے میر　　　　لاہور: 12 اگست 1960ء

(اس بیماری میں مولانا رحمہ اللہ موسمی بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بخار نے طول پکڑا اور مولانا کو بے حد نڈھال کر دیا۔ مولانا کو کبھی کبھی مایوسی ہونے لگتی کہ وہ اس بیماری سے اب اٹھ نہیں پائیں گے۔۔۔۔ مدیر)

83۔ امید ہے آپ اچھے ہوں گے۔ میری طبیعت بدستور خراب چلی جا رہی ہے۔ آج رات سخت دورہ پڑا۔ مرض کچھ تشخیص نہیں ہو رہا ہے اور علاج ہم جیسے غریبوں کے لیے بڑا مہنگا ہے۔ (یہ نسیان کے مرض کا حملہ تھا۔ اس کے آغاز میں مولاناؒ چکرا کر گر جاتے تھے۔ لاہور کے متعدد بڑے ڈاکٹروں سے علاج ممکن نہ ہوا۔ بیماری بڑھتی گئی حتیٰ کہ مولانا کی پہچان کی صلاحیت تک ختم ہو گئی۔۔مدیر)

مجھے آپ کے موعودہ جواب کے لیے بڑی بے چینی سے انتظار ہے۔ امید ہے کہ آپ جلد خط لکھیں گے۔ میں آپ کی مدد کا بڑا محتاج اور منتظر ہوں۔ جو کچھ کیجئے وہ حلیم صاحب کے ذریعہ سے کر دیجئے۔ مجھے کوئی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ میں تو بیماری کی وجہ سے بالکل خانہ نشین ہو گیا ہوں۔

محمود احمد لودھی　　　　لاہور: 2 فروری 1972ء

84۔ امید ہے آپ بالکل بخیریت ہوں گے۔ میری طبیعت برابر خراب چلی جا رہی ہے۔ علاج برابر ہر قسم کا ہو رہا ہے لیکن کوئی علاج مفید نہیں ہو رہا ہے۔ لکھنے پڑھنے کا کام کئی مہینہ سے بند ہے۔ روز شروع کرنا چاہتا ہوں لیکن شروع نہیں کر پاتا۔

میں نے آپ کو قرضہ کے لیے لکھا تھا اور آپ نے امید دلائی تھی کہ آپ اس کا انتظام کر دیں گے۔ میں اس قرضہ کا سخت محتاج ہوں۔ اس معاملہ میں میرے ایک شاگرد صمدانی صاحب نے بھی آپ کو خط لکھا

تھا..... اس بارے میں آپ مجھے امید دلایئے۔ میرے دوستوں میں آپ کے سوا کوئی اور ایسا شخص نہیں ہے جس سے میں اس قسم کی مدد کی امید کر سکوں۔ اس خط سے حوصلہ افزا جواب کا منتظر ہوں۔ جواب جلد عنایت فرمایئے۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 10 اپریل 72ء

85۔ میری علالت طویل اور پیچیدہ ہو گئی ہے اس وجہ سے اب میں لوگوں کے مشورہ سے علاج کے لیے کراچی پہنچ رہا ہوں۔ میں اور میری بیوی 17 اپریل کی صبح کو ہوائی جہاز سے کراچی پہنچیں گے۔ وہاں میری بیوی اپنی بہن کے پاس ٹھہریں گی۔ ان کی بہن نثار کا پتہ یہ ہے:

33۔ تھرڈ اسٹریٹ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی نمبر4

نثار کا فون نمبر 9054806 ہے۔

اگر ہو سکے تو خبر لیجیے گا۔

اور میں نے جس قرضہ کے لیے گزارش کی ہے اس کے لیے امید ہے کہ آپ جلد انتظام کریں گے۔ میں اس کا سخت ضرورت مند ہوں۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 14 اپریل 72ء

86۔ میری صحت اب پہلے کی نسبت سے الحمد للہ اچھی ہے۔ لیکن یہ بڑھاپے کے عوارض ہیں۔ یہ اب زندگی کے ساتھ ہی جائیں گے۔ میں معالجوں کی طرف سے دماغی کام سے بالکل روک دیا گیا ہوں۔ اس وجہ سے بیکاری سے بڑی تکلیف تھی۔ اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے اب کچھ وقت میں مطالعہ قرآن میں صرف کرتا ہوں اور کچھ وقت شاگردوں کے اندر گزارتا ہوں تاکہ ذہن کام سے مانوس رہے۔ (کراچی کے دماغی امراض کے نامور معالج ڈاکٹر جمعہ نے مولانا کے مرض کو ان کی غیر معمولی دماغی محنت کا نتیجہ قرار دیا تھا جس کے سبب دماغ کی شریانیں سخت ہو گئی تھیں۔ ان کے علاج سے مولانا بہت جلد صحت یاب ہو گئے۔۔مدیر)

آگے کے کام کا اندازہ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ کام اتنا وسیع الاطراف ہو چکا ہے کہ جب تک دو تین رفقاء اس میں میری مدد نہ کریں تنہا اپنے بل بوتے پر اگر میں نے کرنے کی کوشش کی تو دماغ اس کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ اب ضرورت ہے کہ ایک صاحب تحقیق لغات و اسالیب میں میری مدد کریں۔ ایک صاحب کتابوں کی مراجعت اور حوالے تلاش کرنے میں ہاتھ بٹائیں اور ایک صاحب تدبر قرآن کی تینوں جلدوں کا

ایسا انڈکس تیار کر دیں کہ جو کچھ میں لکھ چکا ہوں وہ بیک نظر میرے سامنے آ جائے۔ اس تیسرے کام کے لیے میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس سے انکار نہیں کریں گے۔ اس انڈکس کی نوعیت کیا ہو گی' اس کے بارے میں اگر کسی مشورے کی ضرورت ہو تو آپ ڈاکٹر اسرار صاحب اور خالد مسعود صاحب سے مشورہ کر لیں۔ مجھے تو صرف اس امر سے آگاہ فرمایئے کہ آپ یہ کام کریں گے یا نہیں۔ اور اگر کریں گے' جس کی مجھے قوی امید ہے' تو کب تک شروع کریں گے۔ براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔ میں موسم کے ذرا معتدل ہوتے ہی کام کا آغاز کر دینا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمت اور توفیق عنایت فرمائے۔

محمود احمد لودھی

لاہور: 23 جون 1972ء

87۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ خیریت معلوم کر کے اطمینان ہوا۔ میں بھی اب الحمد للہ پہلے کی نسبت سے اچھا ہوں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ میں نے تفسیر کا کام پابندی سے شروع کر دیا..... میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے دوبارہ جو زندگی نصیب ہوئی ہے وہ اسی کام کے لیے نصیب ہوئی ہے اور یہ سب آپ لوگوں کی دعاؤں کی برکت ہے۔ آپ نے اس کام کی سب سے زیادہ سرپرستی کی ہے۔ اس وجہ سے دل کے اندر ارمان ہے کہ کاش اپنے مرنے سے پہلے ایک مرتبہ آپ کی ملاقات کی خوشی حاصل کر سکوں۔ دیکھیے یہ ارمان پورا ہوتا ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور تفسیر کے دوسرے قدر دانوں کے اصرار پر میں نے یہ اجازت تو دے دی ہے کہ تفسیر بدستور میثاق میں چھپتی رہے' اس لیے کہ کتابی شکل میں معلوم نہیں ابھی اس کے منصۂ شہود پر آنے میں کتنی دیر ہو لیکن اپنا نام پرچے پر سے نکلوا دیا ہے تاکہ لوگ اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ڈالیں۔

ڈاکٹر عبد اللطیف خان

لاہور: 10 اکتوبر 72ء

دیہی زندگی

88۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ میں نے یہ فیصلہ تو اس وجہ سے کیا ہے کہ اب اس کے سوا کوئی شکل باعزت گذارے کی نظر نہیں آئی۔ اور یہ بھی ابھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زمین پر سر چھپانے کے لئے کوئی جھونپڑا بن جائے۔ آج کل میں اسی چکر میں ہوں۔ دعا کیجئے کہ میرا یہ ارادہ پورا ہو۔ مجھے توقع ہے کہ محمود صاحب (مولانا کے برادر نسبتی فضل الرحمٰن محمود صاحب مراد ہیں۔ اس وقت تک مولانا کی اہلیہ کی زمین ان کے ساتھ مشترک تھی۔۔مدیر) نے زمین اگر بغیر کسی جھگڑے کے علیحدہ کر دی تو میں دوسری مشکلات پر قابو پالوں گا۔ مجھے اپنی زندگی کے اس موڑ پر جو میں بڑھاپے میں کرنے پر مجبور ہوا ہوں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ سہارا پانے کی جس سے توقع ہے وہ آپ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے مشوروں سے میرا حوصلہ بڑھاتے رہیں گے۔

جنوری کا میثاق مرتب کر کے میں پرسوں ترسوں تک چند روز کے لئے زمین پر جا رہا ہوں۔ اس مرتبہ مکان کی اسکیم بناؤں گا۔ اس دوران میں مدرسہ اور رسالہ کے لیے آپ اگر بھیجیں تو مینیجر میثاق کے پتہ پر بھیج دیجئے۔ میں نے ان کو ضروری ہدایات کر دی ہیں۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 23 دسمبر 1960ء

89۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ اب میں اچھا ہوں لیکن اس معنی میں اچھا ہوں کہ ان دنوں مجھ پر کچھ عرصہ سے بخار کا کوئی حملہ نہیں ہوا ہے۔ دوسرے عوارض جو اب لازمہ زندگی بن گئے ہیں ان کو اب میں بیماری میں شامل نہیں کرتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ محمود صاحب کا رویہ اس طرف کچھ اچھا رہا لیکن میں اس کو محض اس چیز کا نتیجہ سمجھتا ہوں کہ اب انہیں میرے پلڑے میں بھی کچھ وزن کا احساس ہوا ہے۔ ان کے مزاج میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ ٹال مٹول اور نقصان پہنچانے کی تدبیروں سے وہ اب بھی غافل نہیں ہیں۔ اس وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر سردار اکمل خان صاحب نے ان پر اچھی طرح گھیرا نہ ڈالا تو شائد وہ اکتوبر میں میکلوڈ گنج کی زمین کا فیصلہ نہ کریں۔ 26 ستمبر کو ان کا امتحان ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان سے یہ وعدہ پورا کراتا ہے۔ میں تو ان کو یاد دہانی کراؤں گا ہی' میرا خیال ہے کہ ایک خط ان کے نام سردار صاحب کو بھی لکھنا چاہیے......

مدرسہ (بچیوں کا مدرسہ اصلاح البنات مراد ہے۔۔مدیر) خدا کے فضل سے چل رہا ہے اور اللہ کا نام لے کر ہم نے نویں کلاس بھی کھول دی ہے اور عربی کا شعبہ بھی جاری کر دیا ہے۔ اور یہ سارے اقدامات کرتے وقت یہ خیال برابر رہا ہے کہ اس کار خیر میں آپ نے جس طرح پہلے ہر قسم کی امداد کی ہے اب بھی آپ امداد کریں

گے۔ اس وجہ سے درخواست ہے کہ اس بارے میں کوئی بات حوصلہ توڑنے والی نہ لکھئے۔ آپ ایک دینی کام کی مدد کریں گے' اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔

میں اب صرف تفسیر کی تکمیل کے کام میں کلیتہً لگ جانا چاہتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام پورا کر دے۔ آپ کی نصیحتیں مجھے یاد ہیں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ اب ان کو زندگی کے لئے شمع راہ بناؤں۔

سردار اکمل خان صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ ان کو میکلوڈ گنج کے کام کے علاوہ شیخوپورہ میں بھی تحصیلدار صاحب سے راضی نامہ پر فیصلہ لکھواتا ہے۔ ورنہ یہ معاملہ یوں ہی رہ جائے گا۔

سردار اصغر خان صاحب معلوم نہیں ان دنوں کہاں ہیں۔ انہوں نے مجھے Will Durant کی جو کتاب فلسفہ پر دی تھی وہ میں نے اب پڑھی ہے اور پوری پڑھی ہے۔ اگرچہ یہ مصنف اسلام کا مخالف ہے لیکن اس کی کتاب مجھے پسند آئی......

میں زمین کے انتظام کے معاملہ میں زیادہ مضطرب اس وجہ سے ہوں کہ اب یہی چیز میرے لئے کفالت کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے سردار اکمل خان صاحب سے کہئے کہ اب اس کا مناسب انتظام کر کے ہی دم لیں۔ یہ کام میرے بس کا نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: ستمبر 1961ء

90۔ آپ کا عنایت نامہ حیدر آباد سے بھیجا ہوا موصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے دلی خوشی ہوئی کہ سردار محمد افضل خان صاحب کا آپریشن کامیاب رہا اور اب وہ بالکل خیریت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام تکالیف دور فرمائے اور جو تکلیفیں پہنچ چکی ہیں ان کو ان کے لیے کفارہ بنائے۔

میں کل رقبہ پر سے واپس آیا ہوں۔ وہاں مجھے ایک موقع دیکھنے کے لیے کھال کی اونچی مینڈ پر سے گزرنا پڑا۔ راستہ بالکل ناہموار تھا اس وجہ سے میرا جوتا پھسلا اور میں کھال کے اندر جا پڑا۔ میری بائیں کہنی کا جوڑ اپنی جگہ سے سرک گیا۔ جوڑ وہیں کے ایک آدمی نے بٹھایا لیکن شائد اچھی طرح بیٹھا نہیں۔ اس وجہ سے ابھی تکلیف دور نہیں ہوئی ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو دور کرے اور اس کو گناہوں کا کفارہ بنائے۔

یہاں آ کر یہ معلوم ہوا کہ اس دوران میں سردار محمد اکمل خان صاحب دوبارہ لاہور تشریف لائے لیکن اس مرتبہ بھی وہ مجھے ملاقات کا موقع دیے بغیر چلے گئے۔ یا تو اس وجہ سے کہ میں باہر تھا یا اس وجہ سے کہ وہ وقت نہ نکال سکے' حالانکہ مجھے ان سے ضروری کام ہیں۔ محمود صاحب نے اکتوبر میں میکلوڈ گنج کی زمین کا معاملہ طے کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ اپنا کوئی وعدہ اس وقت تک پورا نہیں کریں گے جب تک پوری طرح ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ میں نے مختلف ذرائع سے محمود صاحب کو یاد دہانی کرائی ہے لیکن انہوں نے کوئی واضح اور قطعی جواب نہیں دیا۔ یہ طے کرنا سردار صاحب ہی کا کام ہے کہ محمود صاحب سے کس طرح وعدہ پورا کرایا جائے۔ سردار صاحب وہاں موجود ہوں تو آپ ان کو اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائیے۔

یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے عمرہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ارادہ کو پورا فرمائے.....

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 16 اکتوبر 1961ء

91- آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا مگر میں نے اس انتظار میں اس کا جواب روک لیا تھا کہ کوئی پروگرام بن لے تو آپ کو لکھوں۔ لیکن اب تک کوئی پروگرام بن نہ سکا۔ کیونکہ اس پروگرام میں کئی عوامل دخیل ہیں اس لیے بیل منڈھے نہیں چڑھ رہی ہے۔ محمود صاحب' ڈاکٹر اسرار صاحب' میثاق اور مزید برآں میرے معاشی معاملات' غرض میرا پروگرام مینڈکوں کی ایک پنسیری بن کر رہ گیا ہے۔ ایک کو پلڑے میں رکھتا ہوں تو دوسرا پھدک کر الگ ہو جاتا ہے۔ اب دیکھئے آپ سے سرخرو ہونے کی سعادت کب حاصل ہوتی ہے۔

آپ مجھے دیہات اور دیہاتی زندگی سے نہ ڈرایئے۔ میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ خالص دیہات میں بسر کیا ہے اور بڑی غریبانہ زندگی گزاری ہے۔ اب بھی گو میں لاہور میں رہتا ہوں لیکن ایک بالکل طالب علمانہ زندگی رکھتا ہوں۔ بس مشکل یہ ہے کہ میری علمی زندگی کے تقاضے مجھے لاہور کے قیام پر مجبور کرتے ہیں اور معاشی ضروریات نبی بھیکو (مولانا کے گاؤں رحمان آباد کا پرانا نام --مدیر) سے باندھے ہوئے ہیں۔ کشمکش یہ ہے کہ نہ پیٹ کو لپیٹ سکتا نہ روح کو کچل سکتا۔ اب دیکھئے رب کریم میرے لئے اس کشمکش سے عہدہ برآ ہونے کی کیا راہ نکالتے ہیں۔ اس وقت تو بلاشبہ میں "کشتی در چمن و ملاح در فرنگ" کے ابتلا میں مبتلا ہوں اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ذہنی طور پر پریشان بھی ہوں۔ لیکن امید رکھتا ہوں کہ اگر میں نے علم دین کے تقاضوں کو نظرانداز نہ کیا تو اللہ تعالیٰ میرے پیٹ اور تن کا بھی کوئی نہ کوئی انتظام فرما ہی دے گا۔ ایک مخلص اور محسن دوست کی حیثیت سے آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ نے اپنے اس خط میں جو دعا میرے لئے فرمائی ہے' وہ اگر برابر نہیں تو کبھی کبھی کرتے رہیں۔

آپ میرے قیام سے متعلق پریشان نہ ہوں۔ میں جب بھی حاضر ہوا رحیم آباد حاضر ہوں گا۔ مجھے اجمل خان کی طرح اجمل باغ (سردار محمد اجمل خان لغاری صاحب کی قیام گاہ' جو ضلع رحیم یار خان میں ہے---مدیر) بھی محبوب ہے۔ اور یہ بات ایمانداری سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے وہاں صرف قلبی سکون ہی نہیں حاصل ہوتا بلکہ مادی لطف و عیش کے جو سامان مجھے وہاں میسر ہوتے ہیں ان کا تصور بھی کہیں اور مشکل سے کرتا ہوں۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 20 جون 1963ء

92- عنایت نامہ موصول ہوا تھا مگر کچھ مستقر سے غیر حاضری اور کچھ مصروفیت کے سبب سے جواب جلدی نہ لکھ سکا۔ امید ہے کہ اس کا خیال نہ فرمائیں گے۔ میں نے اپنی تمام مصروفیتوں پر ایک نیا اضافہ یہ کر

لیا ہے کہ ایک مربعہ کی خود کاشت شروع کرا دی ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ اپنی معاشی مشکلات میں کچھ سہولت کی راہ نکالوں۔ یہ سہولت تو جب پیدا ہو گی تب ہو گی' اور معلوم نہیں پیدا بھی ہو گی یا نہیں لیکن ایک نسیہ کے پیچھے خاصی نقد مشکلات میں اپنے آپ کو پھنسا لیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس مخمصہ سے نکالے اور اٹھایا ہوا قدم واپس نہ لینا پڑے۔ میری نیت بخیر ہے۔ چاہتا ہوں کہ دو روٹی آسانی سے ملتی رہے تاکہ میں اپنی تفسیر لکھ سکوں۔

میثاق امید ہے پہنچا ہو گا۔ اس کے متعلق اپنے مشوروں سے برابر آگاہ فرماتے رہیں۔ اگرچہ حالات کسی پہلو سے بھی مساعد نہیں ہیں لیکن میں نے اس کو از سر نو جاری کر دیا ہے۔ اس کے جاری کرنے اور بند کرنے کی خفت بھی بار بار محض اس خیال سے اٹھا رہا ہوں کہ خیال ہوتا ہے کہ میرے اوپر دین اور علم کے کچھ حقوق ہیں۔ ورنہ یہ بوجھ فی الواقع میری طاقت سے باہر ہے۔

میں نے ڈاکٹر اسرار صاحب سے جون کے پہلے ہفتہ میں کراچی میں "حکمت قرآن" کے موضوع پر چند لیکچر دینے کا وعدہ کر لیا تھا اور اسی سفر میں آمد و رفت میں آپ سے بھی نیاز حاصل کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہاں کے حالات نے ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اب جولائی کے پہلے ہفتہ کا وعدہ کیا ہے۔ دیکھئے جو پورا ہو سکے!

آپ سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ اب تو کبھی کبھی آپ کی محبت اس طرح دل میں موجزن ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ پہلی ٹرین سے رحیم آباد کے لئے روانہ ہو جاؤں۔

اہلیہ آپ کو سلام کہتی ہیں۔ ان کا مدرسہ خدا کے فضل سے چل رہا ہے۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور

93- آج یہ عریضہ اپنے ایک ارادے سے آپ کو مطلع کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں۔

اب میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ لاہور چھوڑ کر ایک دیہات میں چلا جاؤں۔ وہاں میری بیوی کا ایک مختصر رقبہ زمین ہے۔ اس پر ایک جھونپڑا بنا کر بقیہ زندگی وہیں گزارنے اور جب تک قوت ساتھ دے تفسیر لکھنے کا ارادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لاہور میں اب میری دلچسپی کی کوئی چیز نہیں رہی۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کی معیت میں جو کام شروع کیا تھا اس کو انہوں نے بالکل تلپٹ کر کے اپنا ذاتی کام بنا لیا ہے' اور نہ میں ان کو سمجھانے میں کامیاب ہو سکا اور نہ میرے دوسرے ثقہ اور ذی علم احباب اس میں کامیاب ہو سکے۔ اس وجہ سے ہم سب نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

میں لاہور میں اسی کام کی خاطر اٹکا ہوا تھا ورنہ یہاں کی کثیر المصارف زندگی میرے تحمل سے باہر تھی۔ چنانچہ میں قرضدار بھی ہو گیا۔ یہاں میری کوئی ذاتی آمدنی نہیں ہے۔ میری کتابیں بھی میرے لیے کسی دنیوی منفعت کا ذریعہ نہیں بنیں اور اب تو ڈاکٹر صاحب ان پر اس طرح مسلط ہونے کی کوشش کر رہے ہیں کہ

مستقبل میں بھی ان سے مجھے کسی فائدے کی امید نہیں۔ میرا گزارہ یا تو زمین کی آمدنی سے ہو رہا تھا یا آپ مدد فرماتے تھے۔ زمین کی آمدنی بس اتنی ہے کہ زمین پر رہ کر تو اس سے روٹی کھا سکتا ہوں لیکن لاہور شہر کے مصارف اس سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے اب میرے لیے واحد راستہ یہی ہے کہ وہیں چلا جاؤں۔ وہاں امید ہے کہ تفسیر کا کام زیادہ اطمینان سے کر سکوں گا۔ یہاں بہت سا وقت لوگوں سے ملنے جلنے میں بھی صرف ہو جاتا ہے۔

میری کتابوں کے چھپنے کا معاملہ اب بالکل مجہول ہو گیا۔ میرے پاس ایسے ذرائع نہیں کہ میں ان کو چھپوا سکوں اور ڈاکٹر صاحب پر مجھے اعتماد نہیں رہا۔ اس وجہ سے اب اس معاملے کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ اگر اس کی مرضی ہو گی تو ان کے چھپنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے گی ورنہ اپنے رب کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ البتہ لکھنا میری ذمہ داری ہے اور یہ کام میں آخر دم تک ان شاء اللہ کرتا رہوں گا۔ چونکہ آپ اس کام کے سب سے بڑے معاون اور قدردان ہیں اس وجہ سے آپ کو آگاہ کرنا ضروری ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کے اور میرے اختلافات کی نوعیت عقائدی اور نظریاتی ہے اور امید نہیں کہ اب ان کے ساتھ اتفاق ہو سکے۔ اگرچہ اس حادثہ کا میرے دل و دماغ پر بہت برا اثر پڑا لیکن میں اس کو خدا کی طرف سے آزمائش سمجھتا ہوں اور اس سے صبر کی توفیق مانگتا ہوں۔

.... نقل مکان کا ارادہ فروری کے آخر تک ہے۔ ابھی سردی بھی زیادہ ہے اور میری طبیعت بھی خراب ہے۔ تفسیر کا کام بحمد اللہ جاری ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف خان — لاہور: 23 جنوری 73ء

94۔ مجھے یہ شکایت نہیں ہے کہ زمانے نے میری قدر نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس اہل زمانہ کے ذوق کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ میں اپنے کام پر بالکل مطمئن ہوں۔ البتہ اس حادثہ (مراد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے رویہ سے بیزاری ہے۔۔مدیر) کے بعد اب کسی نئے تجربہ کی ہمت نہیں پا رہا ہوں۔ اس وجہ سے زندگی کے باقی انفاس تنہائی میں گزارنا چاہتا ہوں۔ بزرگوں نے تنہائی کی بڑی برکتیں گنائی ہیں۔ چاہتا ہوں کہ اس کا بھی تجربہ ہو جائے۔ خدا کرے اس کا حق ادا ہو سکے۔

میری اور بعض دوسرے دوستوں کی بھی رائے یہی تھی کہ مارچ کے آخر تک روانگی ہو لیکن اہلیہ مستعجل ہیں۔ اس وجہ سے اغلب یہی ہے کہ اس مہینہ کی آخری تاریخوں تک لاہور چھوڑ دیں گے۔ خدا کرے کوئی مانع پیش نہ آئے۔ آج میں نے فون والوں کو اطلاع کر دی ہے کہ میرا فون کاٹ دیا جائے۔

اب کراچی کا سفر کسی دوسرے موقع پر کروں گا۔ اس وقت تو رحمان آباد دماغ پر مستولی ہے۔ وہاں بڑا مسئلہ سر چھپانے کے لیے کسی جھونپڑے کا ہے۔ مگر اس سلسلہ کا کوئی عملی حل اسی صورت میں ممکن ہے جب وہاں جا

کر ڈیرہ ڈال دیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ کوئی نہ کوئی شکل نکل ہی آئے گی۔

اب کتابوں کا بوجھ میں نے اپنے سر سے اتار دیا ہے۔ اب جو کچھ کیجئے اس تصور کے ساتھ کیجئے کہ ان اوراق کا سیاہ کرنے والا دنیا سے رخصت ہو گیا۔

شیخ سلطان احمد — لاہور: 6 فروری 1973ء

95۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ میں آپ کی حسن تدبیر و تدبر کا نہایت ممنون ہوں کہ میں عزت و آبرو کے ساتھ لاہور سے نکل کر رقبہ پر آ گیا۔ الحمد للہ اب میں کسی کا قرضدار نہیں ہوں۔ سب قرضے آپ کی تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے ادا کر دیئے۔ میں نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں جب تک لوگوں کا پائی پائی ادا نہ کر لوں گا اس وقت تک لاہور سے نہ نکلوں گا۔ قرضوں کے بار کا احساس یوں تو مجھے ہمیشہ رہا لیکن بیماری کے بعد تو اس احساس نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ اس سے میری کمر ٹوٹی جا رہی تھی۔ الحمد للہ اب میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں اور اس کے لئے تہہ دل سے آپ کا شکرگزار ہوں۔ صورت حال اتنی سنجیدہ ہو گئی تھی کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا اس کو حل نہیں کر سکتا تھا۔

یہاں میرے آشیانے پر اگرچہ دن میں چڑیوں' مکھیوں' اور بھڑوں کی یورش رہتی ہے اور شب میں چمگادڑوں کی' لیکن الحمد للہ میں لکھنے کا کام پورا کر لیتا ہوں۔ البتہ شب میں لکھنے کا کام نہیں کر سکتا' اس لئے کہ لالٹین کی روشنی میں نگاہ پر زور پڑتا ہے۔ اگر حالات مساعد رہے تو تین ماہ میں چوتھی جلد تیار کر دوں گا جو سورہ نور پر تمام ہو گی۔ آدھے سے زیادہ کام اس کا ہو چکا ہے۔

میری ایک مدت تک بے تعلقی کے باعث یہاں کی چیزوں' خصوصاً باغ کو' بڑا نقصان پہنچا۔ ٹھیکیدار نے اس کو تباہ کر دیا۔ اس کی تلافی پر اب کچھ وقت لگے گا۔ میں نے اس کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ آپ اپنے مشوروں سے آگاہ فرماتے رہیں......

سردار محمد اجمل خان لغاری — رحمان آباد: 22 مارچ 1973ء

96۔ عنایت نامہ ملا۔ عبارت سے متعلق مجھے آپ کی ایجاز پسندی کے سبب سے غلط فہمی ہوئی۔ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ آپ نے عبارت کہاں سے نقل کی ہے اور کس لیے نقل کی ہے۔ مجھے یہ گمان گزرا کہ آپ نے مسودہ میں سے لی ہے۔ بہرحال اس میں متعدد فاش غلطیاں ہیں۔ اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ مسودات میری زندگی میں ٹائپ ہو جائیں کہ میں ان پر ایک نظر ڈال لوں۔

اسلام آباد میں آ تو جاتا لیکن بعض مصالح مانع ہیں۔ آپ ان مصالح کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں زمینداری کی بعض مصروفیات بھی ان دنوں ہیں۔ گنا لگانے کا وقت گزر رہا ہے اور ابھی تک بیج اور کھاد کا

انتظام نہیں ہو سکا۔ دوڑ دھوپ ہو رہی ہے۔ اگر ہفتہ کے اندر اندر کوئی انتظام نہ ہو سکا تو پھر یہ اسکیم منسوخ کرنی پڑے گی۔

اہلیہ کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ شائد انہیں لاہور بھیجنا پڑے۔

محمود احمد لودھی

رحمان آباد: 14 مارچ 1974ء

97۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ پہلا خط بھی مل گیا تھا۔ میں نے حکم کی تعمیل تو کر دی تھی اور اب بھی کر رہا ہوں لیکن جواب لکھنے میں کوتاہی ہوئی۔ اس کے لیے کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان دنوں گندم کی صفائی ہو رہی ہے جس کی فکر ہمہ وقت ذہن پر سوار رہتی ہے لیکن اس کے باوجود سارے کام ہو رہے ہیں تو خط بھی لکھا جا سکتا تھا۔ بہرحال اس کوتاہی کی معافی چاہتا ہوں۔

اس وقت میری مشکل بھی کچھ اسی طرح کی ہے جس سے آپ دوچار ہیں۔ انور صاحب سلمہ کو حکومت نے ڈوب بھیج دیا۔ وہ قریب ہوتے تھے تو زمینداری کی ذمہ داریوں میں ان کی مدد آسانی سے حاصل ہو جاتی تھی۔ اب اس کا امکان نہیں رہا۔ اب عملی نہ سہی لیکن قانونی ذمہ داری تمام تر تنہا مجھ پر ہے۔ اہلیہ بھی بوجہ علالت دو ہفتے سے لاہور میں ہیں۔ یہاں میں تنہا ہوں۔ منشی ہر مسئلہ میں میری رہنمائی چاہتا ہے اور میں فن زمینداری سے جتنا واقف ہوں آپ اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ کتنی گندم رکھنی ہے؟ کتنی بیچنی ہے؟ کس کس کو کتنی دینی ہے؟ کون سی قسم کتنی بیج کے لیے محفوظ کی جائے گی؟ کون سی کھانے کے لیے رکھی جائے گی؟ ابھی ایک مائی بھوسے کی درخواست لے کر آئی تھی۔ نائن شاکی ہے کہ منشی نے اس کو گندم کم دی ہے۔ مزارعوں کا تقاضا ہے کہ ان کی گندم بھی میں اپنی مشین سے صاف کرا دوں۔ نوکروں کو اصرار ہے کہ اب ٹریکٹر خالی ہونا چاہیے تاکہ پنیری لگانے اور دھان کے لیے زمین تیار کرنے کا کام شروع ہو۔ وقت گزر رہا ہے۔

پاکستان کی زرعی ترقی کا حال یہ ہے کہ یہاں تھریشر کے جو پٹے بنتے ہیں شائد کچے دھاگے یا مٹی سے بنتے ہیں کہ بلامبالغہ تین دن میں اس کے پرزے اڑ جاتے ہیں۔ اور ان کی قیمت سینکڑوں روپے ہوتی ہے۔ پچھلے سال جو پٹہ خریدا وہ تین دن میں تار تار ہو گیا۔ اس سال نیا خریدا اس کا جو حشر ہوا اس کو کیا عرض کروں! کل بھاری قیمت ادا کر کے نیا پٹہ منگوایا ہے۔ اس پر مہر تو انگلینڈ کی ہے لیکن اصل کیا ہے اس کا اندازہ تجربہ سے ہو گا۔ موسم کا حال یہ ہے کہ ہر روز کچھ چھینٹے پڑ جاتے ہیں جس سے صفائی کا کام ملتوی ہو جاتا ہے اور فکر بڑھ جاتی ہے۔

محمد احسن خان

رحمان آباد: ۲۳ مئی ۱۹۷۹ء

اصلاحی برادری

90۔ مدرسۃ الاصلاح کے محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ کے لیے ان کے ایک دور افتادہ دعاگو کی طرف سے 'دعا اور سلام کے بعد' یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے مدرسہ کے عظیم نصب العین کو کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ اس مدرسہ کا سنگ بنیاد جن لوگوں نے بھی رکھا ہو لیکن اس کا تسویہ اور اس کے اندر نفخ روح کا کام استاذ امام مولانا فراہیؒ نے انجام دیا ہے۔ یہی روح اس مدرسہ کا اصل امتیازی وصف ہے۔ جب تک یہ روح باقی ہے یہ مدرسہ باقی رہے گا' اس کے دشمن اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر خدانخواستہ یہ روح ختم ہو گئی تو پھر اس کا وجود اور عدم وجود دونوں یکساں ہے۔

یہ سوال کہ یہ روح کیا ہے؟ اس کا جواب مدرسہ کے فاضل اساتذہ اور عزیز طلبہ سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب اس مدرسہ کی ایک ایک اینٹ پر کندہ ہے۔ یہ مدرسہ ایک عظیم فکری انقلاب کا تعلیمی اور دعوتی مرکز ہے۔ اس فکری انقلاب کی روح یہ ہے کہ قرآن کی حکمت اس کے طلبہ کے اندر اس طرح رچ بس جائے کہ وہ جو کچھ سوچیں قرآن کی روشنی میں سوچیں اور جس چیز کو بھی رد یا قبول کریں قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر رد یا قبول کریں۔ یہی چیز ان کو اس قابل بنائے گی کہ وہ مسلمانوں کی موجودہ پراگندہ بھیڑ کو ایک بنیان مرصوص بنا کر امت مسلمہ کی صورت میں کھڑا کر سکیں۔

یہ مقصد اگر آپ کو عزیز ہے تو ضروری ہے کہ آپ اپنے اندر ٹھوس قابلیت' اعلیٰ کردار' اور اپنے بلند نصب العین کے لحاظ سے بلند نگاہی پیدا کیجئے۔ یہ کام وہی لوگ کر سکیں گے جو اپنے نصب العین کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ جو سستی شہرت کے طالب اور محض دنیوی مفادات کے پیچھے بھاگنے والے ہوں وہ اس کے اہل نہیں ہوتے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو زندگی کی صراط مستقیم پر استوار رکھے۔ میں اگرچہ آپ لوگوں سے دور ہوں لیکن میرا دل ہر وقت آپ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر جینے اور ایمان پر مرنے کی توفیق بخشے۔ **وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين**۔

اساتذہ و طلبہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

لاہور: 1990ء

99۔ آپ کا اکتوبر میں بھیجا ہوا محبت نامہ مجھے پرسوں ۲۳ فروری کو موصول ہوا۔ اس تاخیر کی وجہ یہ ہوئی کہ میں اہلیہ کی علالت کے سبب سے ایک عرصہ سے لاہور میں ہوں اور آپ نے خط گاؤں کے پتہ پر بھیجا جو منشی نے وصول کیا اور پھر وہ اس کو میرے پاس بھیجنا بھول گیا۔ اگرچہ اس کی غلطی پر نہایت افسوس ہوا لیکن سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ کا خط پا کر بے اندازہ خوشی ہوئی۔ اگرچہ طویل مفارقت کے سبب سے

وطن سابق کے اکثر احباب و اعزہ از یا درفتہ ہو گئے لیکن جو لوگ یاد ہیں ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ بھی مجھے بھولے نہیں ہیں۔

میں خود ایک مرتبہ آپ لوگوں سے ملاقات کا نہایت آرزومند ہوں اور ابوسعد سلمہ کے بچوں کا اصرار بھی ہے لیکن اس وقت میری مشکل یہ ہے کہ میری اہلیہ کی علالت کی نوعیت ایسی ہے کہ اس حال میں ان کو چھوڑ کر میں کہیں جا نہیں سکتا۔ ان کی صحت کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہو تو کوشش کروں گا' اگرچہ جانتا ہوں کہ جانے کا نتیجہ حسرتوں میں اضافے کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔

شکر ہے کہ تدبر قرآن آپ کو پسند آئی۔ آٹھویں جلد بھی طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔ ان شاء اللہ جلد پریس سے باہر آ جائے گی۔ اپنے تمام دوستوں سے میرا سلام عرض کیجئے۔ اور اپنے گھر میں بھی سب کو علی فرق مراتب دعا اور سلام پہنچایئے۔ اگر اپنے وعدہ کے مطابق آپ نے سلسلہ مراسلت جاری رکھا اور اپنے اعزہ کے حالات سے بھی آگاہ فرمایا تو مجھے دلی مسرت ہو گی۔

میری صحت الحمد للہ بری نہیں ہے۔ جو عوارض لوازم پیری کی حیثیت رکھتے ہیں وہ تو بہرحال ہیں اور اب وہ زندگی کے ساتھ ہی جائیں گے۔ لیکن فی الجملہ اچھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو بھی خوش اور اپنی رضا کے کاموں میں استوار رکھے۔

حکیم محمد مختار اصلاحی — لاہور: 26 فروری 1981ء

100۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور جملہ متعلقین کو بعافیت رکھے۔ تعزیت نامہ موصول ہوا۔ (یہ تعزیت نامہ مولاناؒ کی اہلیہ کے انتقال پر لکھا گیا۔ مدیر) مخلصانہ ہمدردی سے بڑی تسلی حاصل ہوئی۔ الحمد للہ میں اپنے رب کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ دعا کیجئے کہ زندگی کے جو دن باقی ہیں وہ رب کی رضا کے کاموں میں بسر ہوں۔ گاہ گاہ اپنی اور عزیزوں کی خیریت سے آگاہ کرتے رہیں۔ دوستوں اور عزیزوں کے خطوط سے بڑی طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

قمرالدین اعظمی کانپور — لاہور: 20 مئی 1981ء

101۔ آپ کا کتابی تحفہ موصول ہوا۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے تصنیف و تالیف کے بھولے ہوئے شوق کو از سرنو تازہ کیا۔ آپ کی یہ کتاب طب و اطباء سے متعلق ہے' اس وجہ سے اس کے متعلق کوئی رائے دینا میرے لیے موزوں نہیں ہے۔ تاہم ادھر ادھر سے کچھ دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے طبابت کے ساتھ آپ کو تصنیف کا بھی سلیقہ عطا فرمایا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ بھی آپ اس موضوع پر لکھتے رہیں گے۔

میں اب لکھنے کے کام سے دستبردار ہو چکا ہوں۔ بس تھوڑا سا پڑھنے کا کام کر لیتا ہوں۔

حکیم محمد مختار اصلاحی — لاہور

(اس مکتوب میں جس کتابی تحفہ کا ذکر ہے وہ ہے مکتوب الیہ جناب محمد مختار اصلاحی کی کتاب اطباء اور ان کی مسیحائی۔ (حصہ اول) بمبئی 1987-- مدیر)

102۔ محبت نامہ بالکل وقت پر مل گیا تھا۔ مگر آپ نے سفر حج کا حوالہ دیا تھا اس وجہ سے میں نے جواب میں تاخیر کی کہ میرا خط آپ کو براہ راست ملے۔ اب آپ واپس آ گئے ہوں گے۔ شکریہ اور حج کی مبارک باد قبول فرمائیں۔

آپ کے پچھلے گرامی نامے بھی مل گئے تھے۔ مجھ سے جواب میں تساہل ہوا ہو گا۔ اب میری قوت کار بہت کم ہو گئی ہے۔ اکثر دوستوں کو مجھ سے خطوط کے باب میں شکایت رہتی ہے۔

یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی کہ آپ پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں تو اب سفر کی ہمت کھو بیٹھا ہوں۔ اس دنیا میں دوستوں سے ملاقات کی اب ایک ہی شکل ہے کہ وہ خود زحمت سفر اٹھائیں اور اپنے دیدار سے میری آنکھوں کو روشنی بخشیں۔

یہاں میرے ساتھ جو رفقاء کام کر رہے ہیں وہ آپ جیسے مخلصین کے تعاون کے حقدار ہیں۔ جس حد تک ممکن ہو سکے ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ خالد صاحب سلمہ' کا خط آپ کو ملا ہو گا۔

میرا لڑکا ابوسعد اصلاحی سلمہ' بھارت کا شہری ہے۔ وہ تدبر قرآن بمبئی کے ایک ادارہ کے ذریعہ سے چھپوانا چاہتا ہے۔ صاحب ادارہ آپ ہی کے ہم نام ہیں۔ میں نے اس کو لکھا ہے کہ وہ آپ سے مشورہ کرے۔ امید ہے کہ آپ اس کی رہنمائی کر کے مجھے ممنون فرمائیں گے۔

میں آپ کے سفر موعود کا اب منتظر ہوں۔

حکیم محمد مختار اصلاحی — لاہور: 22 اکتوبر 1982ء

103۔ آپ کے دونوں محبت نامے اور علوم القرآن کے پرچے موصول ہوئے۔ دلی شکریہ۔ پرچہ میں نے بھی پڑھا اور دوستوں کو بھی دیا۔ بعض مضامین نہایت مفید معلوم ہوئے۔ اتقان سے مولاناؒ (مولانا حمید الدین فراہیؒ --مدیر) کے جو حواشی لیے گئے ہیں وہ خاص چیز ہے۔ اسی طرح دوسری کتابوں سے بھی مولاناؒ کے حواشی اگر پرچہ میں دیتے رہیں تو یہ بڑی خدمت ہو گی۔

آپ کے سوالات رکھ لیے ہیں۔ اب میری قوت کار بہت کم ہو گئی ہے اور کام بہت زیادہ ہے تاہم کوشش کروں گا کہ ہر پرچہ کے لیے کچھ نہ کچھ لکھتا رہوں۔ آپ نے پرچہ کو چھ ماہی رکھا ہے۔ سال میں چار نہیں تو تین تو نکالتے!

سب دوستوں کو سلام شوق پہنچایئے۔ مجھے آپ لوگوں سے اس سے بھی زیادہ تعلق ہے جتنا یہاں کے دوستوں سے ہے۔ اس کی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کے دونوں خطوں سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ اس سفر میں آپ کے پروگرام سے لاہور خارج ہے۔ آپ نے یہ ناانصافی کیوں روا رکھی! آخر ہم سے کیا خطا صادر ہوئی!

ابوسفیان اصلاحی　　　　لاہور: 5 نومبر 1985ء

104۔ مولانا مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے آپ کا مکتوب جواب لکھنے کے لیے میرے حوالے کیا۔ فرماتے ہیں کہ آپ کا رسالہ (یعنی علوم القرآن علی گڑھ -- مدیر) توقع کے مطابق ہے اور انجمن طلبہ کا مجلہ (جو مدرستہ الاصلاح کے طلبہ نکالتے ہیں--- مدیر) توقع سے بڑھ کر ہے۔ امید ہے مولانا کے اس تبصرہ کو آپ کافی سمجھیں گے......

مولانا کی صحت اچھی ہے اور درس قرآن باقاعدگی سے ہو رہا ہے......

ابوسفیان اصلاحی　　　　بقلم: خالد مسعود (1988-10-2)

105۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ کے کئی خطوط ملے لیکن نہ جواب لکھ سکا نہ لکھوا سکا۔ ممکن ہے اس سے آپ کو شکایت ہوئی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب یہ کام بھی میرے لئے ایک مشکل کام بن گیا ہے۔

آپ نے فراہی سیمینار کے موقع پر میری حاضری کو ضروری قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری ہی نہیں بلکہ میرا شرعی فرض بھی تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ایک نوے سال کے بوڑھے کی ناتوانیوں کا اندازہ کر سکیں۔ میں اس معاملہ میں آپ لوگوں کو مجبور سمجھتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب میں بھارت کا سفر تو درکنار لاہور کے اندر ہی کسی سفر سے بھی بالکل قاصر ہوں۔ اگر کسی اہم ضرورت سے گھر سے نکلنا پڑتا ہے تو داہنے بائیں دو مددگاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اب میری حاضری کا خیال دل سے نکال دیجئے۔ ویسے امید ہے کہ یہاں سے بعض احباب جائیں گے اور ان کے ذریعہ سے میری نمائندگی ہو جائے گی۔ البتہ یہ ذمہ داری میں لیتا ہوں کہ میں برابر دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس سیمینار کو ہر پہلو سے کامیاب بنائے۔ اب تک آپ نے طلبائے قدیم کی پرزور

ترجمانی کی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اب اسی زور کے ساتھ میری ترجمانی کا فریضہ بھی ادا کریں گے۔

قمرالدین اعظمی کانپور　　　　لاہور: 17 مئی 1990ء

106۔ میں جانتا ہوں کہ آپ دوستوں کا اصرار کہ میں سیمینار میں شرکت کروں' بمبنائے محبت ہے۔ اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکرگزار ہوں۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر صحت و قوت مجھے حاصل ہوتی تو اس سیمینار میں شرکت کرکے مجھ سے زیادہ کسی کو خوشی نہ ہوتی۔ لیکن اگر میں اس سے معذرت کر رہا ہوں تو مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ کیونکہ میں تو اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں پاتا کہ جمعہ کے جمعہ مسجد میں حاضری دے سکوں۔ البتہ مجھے شمولیت سے محرومی پر افسوس ضرور رہے گا۔

قمرالدین اعظمی کانپور　　　　لاہور: 4 ستمبر 1990ء

متفرق

107۔ لفافہ ملا۔ جواب دینے میں تاخیر کا سبب رمضان شریف ہے۔ کوئی کام کرنے کو مشکل سے جی چاہتا ہے۔ بس وقت پر ضروری کام ہو جاتے ہیں۔

خنازیر کے میرے ہاں دو مریض ہیں۔ ایک گھر میں جن کو ۸'۱۰ برس سے ہے۔ متعدد گانٹھیں ہیں۔ ان میں سختی ہے۔ کچھ دنوں سے حرارت رہنے لگی ہے اور اب بخار اور کھانسی کے دورے اکثر پڑتے رہتے ہیں۔ معمولات میں بھی اختلال رہتا ہے۔ کوئی گانٹھ کبھی ٹوٹی نہیں۔ عام صحت خراب ہے۔ قبض رہتا ہے۔

دوسری مریض میری بچی ہے۔ اس کی عمر ۸'۹ سال ہو گی۔ اس کے ابھی صرف دو گانٹھیں نکلی ہیں۔ ان میں کچھ درد وغیرہ نہیں ہے۔

۵ شوال تک مدرسہ کھل جائے گا اور میں مدرسہ پر ان شاء اللہ پہنچ جاؤں گا۔ (مراد مدرستہ الاصلاح سرائے میر ہے جہاں مولانا بطور استاذ تعینات تھے ۔۔ مدیر) آپ کے اخوان و اعزاء میں سے جو لوگ وہاں ہوں ان سے سلام مسنون عرض کیجئے۔

حکیم محمد مختار اصلاحی — 25 رمضان المبارک 1362ھ

15 اکتوبر 1943ء

108۔ مجھ پر ہلکا سا حملہ ملیریا کا ہو گیا تھا' مگر اب اچھا ہوں۔ انگریزی کتاب اب تک نہیں ملی' یا تو تم نے ہی نہیں بھیجی یا ابھی سنسر والوں کے زیر مطالعہ ہے۔ دو چار دوپلی ٹوپیاں بھی بھجواؤ۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں کپڑے کی ٹوپیاں سلوانا ایک جہاز بنوانے سے زیادہ مشکل کام ہے' مگر توجہ کرو گے تو کوئی مہاجر درزی سی ہی دے گا۔ ابوسعید سلمہ' کو دعا۔ معلوم نہیں ان کے "عبادت" کا کیا حال ہے۔ ہم نے دریافت کیا تھا کہ اس میں ہم ایسے مبتدیوں کے مضامین بھی چھپ سکتے ہیں یا نہیں تو انہوں نے کچھ جواب ہی مرحمت نہیں فرمایا۔ آخر ایڈیٹر جو ٹھہرے۔ رفقاء اور پرسان حال کو سلام مسنون۔ اب کوئی اور کاغذ میرے پاس باقی نہیں رہا ورنہ مکتبہ کو علیحدہ خط لکھتا۔

ابوصالح اصلاحی — نیو سنٹرل جیل ملتان: 3 فروری 1950ء

109۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کا مطالعہ قرآن جاری ہے۔ میں نے بھی کسی نہ کسی شکل میں کچھ نہ کچھ کام جاری رکھ چھوڑا ہے۔ یہ کام اس دور کے لوگوں کے لیے ایک بے مزا اور غیر مفید کام ہے۔ اس وجہ سے نہ میں پہلے پرامید تھا نہ اب ہوں۔ لیکن ادائے فرض کے طور پر کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا

ہوں۔ کسی کو اس سے نفع پہنچے یا نہ پہنچے' خود میرے لیے یہ نافع ہے۔

افسوس ہے کہ ادھر تحریر کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ کچھ تو بار بار مکان کی تبدیلی کے سبب سے ایک الجھن سی رہی۔ پھر جنگ نے ساری توجہ اپنی طرف جذب کر لی۔ میں آدمی تو قرطاس و قلم کا ہوں لیکن طبیعت جنگجو پائی ہے۔ اس وجہ سے اس چیز سے بڑی دلچسپی ہے۔ ریڈیو اور اخبارات سے اس دوران میں طبیعت کا یہ شوق پورا کرتا رہا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ ڈھاکے کی آب و ہوا آپ کو راس آئی ہو گی اور آپ وہاں زندگی کے نئے تجربات سے آشنا ہوں گے۔ اس دوران میں اپنے مشرقی بھائیوں سے متعلق میرے علم میں بھی بعض نئے اضافے ہوئے ہیں۔ اب تک انگریزوں کے پروپیگنڈے کے زیر اثر ہمارا ذہن یہ بنا ہوا تھا کہ بنگال کے لوگ جنگ کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ لیکن اس جنگ میں یہاں جو مشاہدے ہوئے ہیں ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ انگریزوں کی شرارت تھی کہ انہوں نے بنگال کے لوگوں کو فوج سے الگ رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی ہو گی کہ سید احمد شہید" کی دعوت جہاد کو سب سے زیادہ آدمی اسی علاقے سے ملے تھے۔ بہرحال اس جنگ کے فوائد میں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بنگال کے متعلق یہ دیرینہ غلط فہمی رفع ہو گئی اور دنیا پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اللہ کے فضل سے ہمارے دونوں بازو شمشیر زن ہیں' ایک سے ایک بڑھ کر۔

میرے معاملے میں آپ کو یہ قربانی ہمیشہ کرنی پڑے گی کہ آپ کو میری طرف سے جواب پائے بغیر خط لکھتے رہنا پڑے گا۔ میری یہ کمزوری ایک دیرینہ کمزوری ہے کہ میں عزیزوں اور دوستوں سے خط کا ہمیشہ متوقع رہا ہوں اور خود خط لکھنے میں پرلے درجے کا کاہل ہوں۔

محمود احمد لودھی — لاہور: 21 اکتوبر 65ء

110۔ یہ خوشی ہوئی کہ آپ اب لکھنے کے لیے قلم تول رہے ہیں۔ اب آپ کا یہ حجاب ٹوٹنا چاہیے۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ صلاحیت دب کے رہ جائے گی۔

اخوان کے متعلق پہلے میری رائے اچھی تھی لیکن اب تو وہ شاہ فیصل کے آلہ کار ہیں۔ رابطہ اسلامی وغیرہ کے پردے میں ان کا کام صرف جمال عبد الناصر کے خلاف پروپیگنڈا کرنا رہ گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی کسی جماعت کو کوئی حکومت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ جنیوا میں ان کا مرکز سو فیصدی شاہ فیصل کے روپے سے چل رہا ہے...... دین کی مدعی جماعتیں جب یہ کھیل کھیلنے لگتی ہیں تو ان کا انجام نہایت خوفناک ہوتا ہے۔ یہ نہ خیال فرمائیے کہ یہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں کسی بدگمانی پر مبنی ہے۔ بلکہ اب تو سارے حالات ریکارڈ پر آ چکے ہیں۔

میں حلقہ تدبر قرآن کے کام کو بہر شکل جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس سے برابر

دلچسپی لیتے رہیں گے۔

محمود احمد لودھی　　　　لاہور: 31 جولائی 66ء

111۔ اخوان اور مصر کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں۔ یہاں جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کی نوعیت زیادہ تر پروپیگنڈے کی ہے۔ مصر میں اخوان کی قوت اب بہرحال اتنی نہیں ہو سکتی کہ اس سے لڑنے کے لیے جمال عبد الناصر خواہ مخواہ کا درد سر مول لیں۔ البتہ باہر کے اخوان کے ساتھ ان کا ربط ان کے لیے وجہ بدگمانی اور باعث مصیبت ہو سکتا ہے۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ سعید رمضان اور...... شاہ فیصل کے زیر اثر اور ان کے روپے سے کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگ مصر کے اخوان کے لیے وجہ ابتلا بنے ہوں گے۔ باہر کے ممالک سے ادنیٰ ربط بلکہ اس کا وہم بھی بڑے خطرات کا باعث ہو سکتا ہے' بالخصوص جبکہ باہم رقابت ہو۔ حکومتیں اس طرح کے معاملات میں بڑی حساس ہوتی ہیں۔ ع

عشق است و ہزار بدگمانی !

حلت و حرمت کے مسئلہ پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک لکھا ہے۔ اس سے خوشی ہوئی۔ اس پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ خط کے آخر کے ایک فقرے کا مقصد میں نہیں سمجھ سکا۔ ممکن ہے تعبیر کی کوتاہی ہو....

محمود احمد لودھی　　　　لاہور: 29 اگست 66ء

112۔ بھائی' آج اخبارات میں سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی دیے جانے کی خبر پڑھ کر جو صدمہ پہنچا ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ حرکت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دل شیطان کی مٹھی میں ہوں اور جو نہایت کمینے اور بزدل ہوں۔ اللہ تعالیٰ مصر کے مسلمانوں پر رحم کرے جو پھر فرعون کے پنجے میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اس اقدام شنیع کے لیے کوئی ادنیٰ جواز بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ جس دنیا پر ایسے قسی القلب اور تنگ ظرف لوگ حکمران ہوں اس میں جینے سے زیر زمین دفن ہو جانا بہتر ہے۔ آج میرے اعصاب پر نہایت برا اثر ہے۔ اللہ کے سوا اس ظلم کی فریاد کس سے کی جا سکتی ہے!

محمود احمد لودھی　　　　لاہور

113۔ آپ کا خط عین حالت انتظار میں ملا۔ اب کے آپ نے اپنی خیریت سے آگاہ کرنے میں بڑی دیر

لگائی۔ تشویش رہی۔ میں اس اثناء میں کچھ بیمار رہا۔ اب گو اچھا ہوں لیکن عرب کے حادثے (مراد مصر اسرائیل جنگ ہے۔۔مدیر) نے کمر توڑ دی۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔

تفسیر کی تسوید کا کام بھی بے دلی اور افسردگی کی وجہ سے بند ہے۔ روز ارادہ کرتا ہوں لیکن آمادگی نہیں پیدا ہوتی......

خیریت سے برابر آگاہ رکھیں۔ اور اپنے امکان کے حد تک اپنی قوم کے کردار کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ ہم لوگوں کا وقت تو پورا ہو چکا ہے۔ آپ لوگوں پر بڑی بھاری ذمہ داریاں ہیں۔ میں تو اب صرف اس امید پر جی رہا ہوں کہ شائد اس حادثے سے عرب بیدار ہوں اور اپنی ذلت کا انتقام لیں۔ ورنہ اب جینے میں کیا مزا ہے۔

مجھ پر اس حادثے کا جو اثر پڑا ہے اس کو قلم تعبیر کرنے سے قاصر ہے۔ کاش میں اس کو دیکھنے سے پہلے نسیاً منسیا ہو چکا ہوتا!

محمود احمد لودھی　　　　مورخہ لاہور: جون ۶۷ء

114۔ آپ کا ملفوف موصول ہوا۔ آپ کی پرخلوص دعوت کا شکریہ۔ جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ پاکستان کے دوسرے بازو کو دیکھوں۔ یوں بھی بارش اور آم سے مجھے بڑی دلچسپی ہے لیکن اب سفر کی ہمت مجھ میں بہت کم ہو گئی ہے۔ ادھر تو یہ حال ہے کہ دو تین ماہ سے رقبہ پر بھی نہیں گیا۔ حالانکہ نہ جانے سے نقصان کا بھی اندیشہ ہے اور بہت سی ضرورتیں بھی رکی ہوئی ہیں۔ وہاں سے میرے بعض پرانے مخلصین بھی برابر یاد دہانی کر رہے ہیں۔ اب آپ نے بھی ان کی تائید میں اپنی آواز ملا دی ہے۔ دیکھئے شائد آپ لوگ کھینچ ہی بلائیں۔

'استکبار' اور 'استغفار' سے متعلق آپ کا استنباط بالکل صحیح ہے۔ اس طرح کے جو نکتے ذہن میں آئیں ان سے مجھے بھی آگاہ رکھیں۔ اس سے دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔

خون کے دباؤ کا چند دن پہلے جو معائنہ ہوا تھا اس کا نتیجہ تو اچھا تھا۔ اب پھر دیکھنے پر معلوم ہو سکے گا کہ صورت حال کیا ہے۔ ویسے میری طبیعت کچھ ست سی رہتی ہے۔ کام کچھ نہیں ہو رہا ہے۔

محمود احمد لودھی　　　　لاہور

115۔ آپ لوگوں کے بخیریت پہنچنے کی اطلاع سے دلی خوشی ہوئی۔ اور مزید خوشی اس بات سے ہوئی کہ اس قران السعدین نے آپ کے سکون اور دل جمعی میں اضافہ کیا۔ اس رشتہ (مراد رشتہ ازدواج ہے۔۔مدیر)

سے یہی چیز مطلوب ہوتی ہے اور اسی چیز کی توقع تھی۔ اللہ تعالیٰ اس میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔

میں بھی خدا کے فضل سے بخیریت ہوں اور بخیریت رہا۔ رمضان میں تراویح اور دوسرے معمولات تو حسب توفیق جاری رہے۔ حد یہ ہے کہ صبح کی سیر میں بھی کبھی تخلف نہیں ہوا' لیکن تصنیف کا کام کچھ زیادہ نہ ہو سکا۔ اب شروع کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی طبیعت مائل نہیں ہو رہی ہے۔ اس قسم کا صوفیانہ قبض و بسط مجھ پر برابر ہوتا رہتا ہے۔.....

آپ کو معلوم نہیں اطلاع ہوئی یا نہیں کہ خالد مسعود صاحب کے والد ماجد رمضان میں دفعتاً انتقال فرما گئے۔ میرے مخلص کرم فرماؤں میں تھے۔ ان کے لیے دعائے خیر کیجئے اور خالد مسعود صاحب کو تعزیت کا خط لکھئے۔

محمود احمد لودھی　　　　لاہور: جنوری 67ء

116۔ یہ جواب خالد صاحب سلمہ بھیج دیں اور اس کے ساتھ ایک خط منسلک کر دیں کہ اصلاحی کے نام جو سوالنامہ آیا تھا (مراد اسلامی نظریاتی کونسل کا رسالہ سے متعلق سوالنامہ ہے جو 11 مارچ 1976ء کو موصول ہوا تھا۔۔۔مدیر) اس کا جواب مرسل الیہ کی تصویب کے بعد بھیجا جا رہا ہے۔ اور نیچے اپنا دستخط "معتمد امین احسن اصلاحی" کی تصریح کے ساتھ ثبت کر دیں۔ جواب بصیغہ رجسٹری بھیجا جائے اور اس کی نقل محفوظ رکھی جائے۔

خالد مسعود۔ لاہور　　　　رحمان آباد

117۔ امید ہے کہ آپ اور جملہ متعلقین بہمہ وجوہ بالکل بعافیت ہوں گے۔ عرصہ سے آپ کی خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ کبھی کبھی دو حرف لکھ دیا کریں تو کیا گناہ ہو!

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو!

میں الحمد للہ اچھا ہوں اور برابر اپنے کام میں مصروف۔ تدبر قرآن کی چوتھی جلد مکمل کر کے ڈاکٹر صاحب کے حوالہ کر دی۔ اب پانچویں پر کام کر رہا ہوں۔ اس وقت تفسیر سورہ نمل زیر قلم ہے۔

حکومت کی طرف سے برابر باصرار یہ خواہش ہے کہ میں مشاورتی کونسل کی رکنیت منظور کر لوں لیکن میں نے بوجوہ گوناگوں معذرت کر دی ہے۔ اگر آپ کو کوئی اس بیچ میں ڈالے تو براہ کرم آپ بھی معذرت کر دیجئے گا۔ میں نے یہ اس لئے عرض کیا ہے کہ بعض وجوہ سے اس کا امکان ہے۔..... خواہش ہے

کہ آپ ایک مرتبہ یہاں تشریف لائیں تاکہ ہم جن نئے تجربات کے دور سے گزر رہے ہیں ان میں آپ کے مشوروں اور تجربات سے استفادہ کر سکیں۔

سردار محمد اجمل خان لغاری　　　　30 جنوری 1974ء

118۔ میں نے چیمہ صاحب (جسٹس محمد افضل چیمہ مراد ہیں۔۔۔ مدیر) کو خط لکھ دیا تھا۔ کل ان کا جواب موصول ہوا ہے جس میں آپ سے متعلق یہ فقرہ ہے:

"خالد مسعود صاحب اسلام آباد آنے کے لیے تیار ہوں تو ان کے لیے اسلامی تحقیقاتی ادارہ میں ان شاء اللہ جگہ کا انتظام ہو سکے گا"۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خالص دینی خدمت ہے اور اس کی انجام دہی وہ اپنے لیے باعث سعادت سمجھیں گے۔ اب آپ جو قدم اٹھانا مناسب خیال کریں اٹھائیں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ خود فون پر بات کر لیں یا ان سے وقت لے کر اسلام آباد چلے جائیں۔

..... سورہ حدید کی تفسیر پوری ہو گئی۔ خاور صاحب لے گئے۔ اس کی آخری بحث بڑی اہم ہے۔ آپ بھی اس پر ایک نظر ڈال لیں۔ اگر کسی ترمیم کی ضرورت ہو تو میں کر دوں گا۔ اب یہ کام چھپنے چھپانے کی فکر سے میں بالکل فارغ ہو کر کر رہا ہوں۔ مجھے اپنا کام کرنا چاہیے۔ باقی کام اللہ پر چھوڑنا چاہیے۔

شرف الدین صاحب مولاناؒ (مولانا حمید الدین فراہیؒ مراد ہیں۔۔۔مدیر) کے مسودات کی فوٹو کاپی چاہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مجھے ہر شخص بالکل بے وقوف آدمی خیال کرتا ہے۔ کیا واقعتاً میں بے وقوف ہی ہوں!

خالد مسعود　　　　رحمان آباد: 18 دسمبر 77ء

119۔ نعمان سلمہ کے ذریعہ سے رباعی پر مشتمل گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس سے پہلے ظفر کے شعر پر مشتمل عنایت نامہ بھی مل گیا تھا۔ میں اس کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ رسالہ میثاق میں اس کا تذکرہ بھی نظر سے گزرا اور اس پر تبصرہ بھی۔ میں نے خیال کیا کہ جب میرے اور آپ کے تعلقات کی نوعیت یہ رہ گئی ہے کہ میں آپ کو جو خط لکھوں یا آپ مجھے جو کچھ لکھیں اس کو اغیار کی دستبرد سے میں محفوظ نہیں رکھ سکتا تو مجھے سلامتی اسی میں نظر آئی کہ خاموش رہوں تاآنکہ اللہ تعالیٰ ملاقات کا کوئی موقع پیدا کرے' اس لیے کہ مسائل اتنے پیدا ہو گئے ہیں کہ شعروں میں نہ وہ سمجھے جا سکتے نہ سمجھائے جا سکتے۔ لیکن اب اس طرح کی ملاقات کی بھی توقع باقی نہیں رہی۔ آخر آپ اسی شہر میں آئے اور یہ نیازمند بھی اسی شہر میں موجود تھا لیکن آپ اس کی اطلاع دینے کے بھی روادار نہ ہوئے۔ پھر میں کس طرح یہ امید رکھوں کہ اس جہان

میں آپ سے ملاقات ہو سکے گی۔ اب زندگی گزر چکی ہے۔ کچھ ایام باقی ہیں وہ بھی گزر جائیں گے۔ اللہ بس باقی ہوس! میں اب اپنے کرم فرماؤں پر بار بننا پسند نہیں کرتا۔

فرزند سعید کی ولادت باسعادت پر میں مبارک باد عرض کرنے کا منہ تو نہیں رکھتا لیکن بر اعتبار سے اس کے روشن مستقبل کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اہلیہ آپ کو اور آپ کی بیگم صاحبہ کو مبارک باد بھی دیتی ہیں اور بچے کے لیے سعادت و اقبال اور طول عمر کی دعا بھی کرتی ہیں۔

سردار محمد اجمل خان لغاری — لاہور: 29 ستمبر 78ء

120۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۱ نومبر مجھے یہاں آج ۲ جنوری کو موصول ہوا۔ میں اہلیہ کی مسلسل علالت کے سبب سے ۴، ۵ ماہ سے یہیں مقیم ہوں (ڈاکٹر زاہدہ درانی کلینک لاہور میں قیام مراد ہے---مدیر) رقبہ پر کسی شدید ضرورت ہی سے جاتا ہوں۔ اس دوران میں میری ڈاک برابر گڑبڑ رہی۔ بے اطمینانی کے سبب سے پتہ تبدیل نہ کرا سکا۔ منشی جب گاؤں سے آتا ہے تو ڈاک لاتا ہے۔ اور وہاں بھی ڈاک کی تقسیم کا کوئی نظم نہیں ہے۔ اس وجہ سے میری ڈاک بیشتر اسکول کے بچوں ہی کی نذر ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام اور غیر حاضری کی معذرت کیجئے۔ اگر آپ حضرات نے لاہور تشریف لانا ہو تو مذکورہ پتہ پر ملاقات ہو سکتی ہے اور مجھے اس ملاقات سے دلی مسرت ہو گی......

ملک عبدالرشید عراقی — لاہور: 2 جنوری 1980ء

121۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس مبارک سفر سے بخیریت واپسی پر دلی مبارک باد قبول فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو اس کی برکتوں سے دنیا اور آخرت دونوں میں بہرہ مند کرے۔

میری اور میرے بیوی بچوں کی انتہائی خوش بختی ہے کہ اس مبارک سفر کی دعاؤں میں آپ نے ہم کو یاد رکھا۔ ہم آپ کے اس عظیم احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ اس کا صلہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دے گا۔

اس بات سے بڑا اطمینان ہوا کہ اس سفر میں آپ کی صحت اچھی رہی۔ یہاں تو نہ لاہور کا پانی آپ کو راس آیا نہ پشاور کا، اور آخر یہاں کے پانی زمزم کا مقابلہ کر بھی کس طرح سکتے تھے۔ ہماری دلی آرزو یہ ہے کہ آپ کی صحت پر جو مفید اثر اس مبارک سفر کا پڑا ہے وہ پائیدار ثابت ہو۔

محمد احسن خان — لاہور: ۲۸ نومبر ۱۹۸۱ء

تالیفات امام حمید الدین فراہی

	روپے پیسے
1۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	328 - 00
2۔ حکمت قرآن	84 - 00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1۔ تدبر قرآن کامل۔ (9 جلد)	2,952 - 00
(فی جلد):	328 - 00
2۔ مبادی تدبر قرآن	105 - 00
3۔ مبادی تدبر حدیث	90 - 00
4۔ حقیقت شرک و توحید	144 - 00
5۔ حقیقت نماز	54 - 00
6۔ حقیقت تقویٰ	54 - 00
7۔ تزکیہ نفس: جلد دوم	105 - 00
8۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	105 - 00
9۔ اسلامی قانون کی تدوین	78 - 00
10۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	78 - 00
11۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	105 - 00
12۔ قرآن میں پردے کے احکام	12 - 00
13۔ فلسفے کے بنیادی مسائل۔ قرآن حکیم کی روشنی میں	120 - 00
14۔ تفہیم دین	90 - 00
15۔ مقالات اصلاحی: جلد اول	165 - 00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور- 54600- پاکستان

فون - 7595200